

یہ پیادہ ملی کا ہیرہ

# لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید

ستارہ جرات (دوبارہ)

سعید راشد

شعبہ تعلیمی تحقیق و ترقی

لاہور ملٹری کالج، جہلم

**book owner : Asif Saeed**  
**scan by Salman saleem**  
**0304-8890501**

یہ سپاویلی کا ہیرو

# لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید

ستارہ جرات (دو بار)

سعید راشد

شعبہ تحقیق و ترقی ملٹری کالج جہلم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پہلا ایڈیشن: جون ۱۹۸۰ء

اشاعت: آرمی ایجوکیشن پریس، جی ایچ کیو  
پوسٹ بکس نمبر ۱۷۹، راولپنڈی

طباعت: امتیازی پرنٹرز۔ راولپنڈی



# انتساب

ملٹری کالج، حیدرآباد کے  
طلباء کے نام

اس یقین کے ساتھ کہ وہ حق نواز کیانی  
کی روایت کو زندہ رکھیں گے

سعید راشد



لیفٹیننٹ کرنل نواز کیانی شهید



# پیش لفظ

از جنرل محمد اقبال خان، ہلال امتیاز، ستارہ بسالت  
چیمپین جانتھ چفیس آف سٹاف کالج

یوں تو جنگ کسی قوم کی اجتماعی کوشش ہی ہوتی ہے لیکن ہر اجتماعی عمل میں افراد کی ہمت اور استقلال کا رفرما ہوتا ہے۔ لہذا جنگ کی تاریخ افراد کے کارنامے بیان کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

زیر نظر کتاب ہماری فوج کے ایک اہم ترین ہیرو کے بارے میں ہے، شہیدوں کے کارناموں پر روشنی ڈالنا اور ان کی یاد تازہ رکھنا ہمارا اخلاقی اور مذہبی فرض بھی ہے اور نئی نسل کے لئے دلوں کے ایک مستقل سرچشمہ بھی۔ تحریک اور ترغیب جہاد (MOTIVATION) ہمارے دفاع کے لئے بنیادی چیز ہے اور ان شہیدوں کی تابندہ مثالیں یقیناً شوق شہادت کی محرک ہیں۔

حق نواز کیا فی شہید غیر معمولی جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انہوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کشمیر میں کمانڈو کارناموں کی بدولت ستارہ جرات کا اعزاز حاصل کیا پھر ۱۹۷۲ء میں وادی لیپا کا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا اور شہید ہوئے۔ ان کی دلیری اور ثابت قدمی نے ہماری فوج کا بلکہ ساری قوم کا مورال بلند کر دیا۔

۱۹۴۳ء میں جب ملٹری کالج میں داخل ہوا تھا تو وہ اس وقت کالج کے ہیڈ

ہو ائے تھے۔ چند ماہ تک کالج میں ان کا ساتھ رہا۔ پھر وہ کمیشن کے لئے منتخب ہو کر چلے گئے۔ بعد میں فوجی زندگی میں بھی ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ میرا ان کی شخصیت کے بارے میں مجموعی تاثر یہی رہا ہے کہ وہ ایک بے باک مجاہد اور شہادت کے متلاشی تھے۔ اس کتاب کے مصنف پروفیسر سعید راشد کالج کے بہت پرانے اساتذہ میں سے ہیں اور شعبہ تحقیق و ترقی کے تحت کئی کتابیں ان کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ اس کتاب کا انداز بیان میں نے عام فہم اور دلچسپ پایا۔ مصنف نے ڈرامائی تکنیک اختیار کی ہے۔ انٹرویو اور مختلف افراد سے گفتگوؤں کی بنیاد پر انہوں نے معتبر ذرائع سے ایک بسیط اور جامع سوانح حیات مرتب کر دی ہے۔ مصنف نے اپنی طرف سے زیادہ کہنے کی بجائے دوسروں کے تاثرات کی مدد سے اپنے ہیرو کی تصویر کھینچی ہے جس کے لئے وہ تحسین کے مستحق ہیں۔

ایک نامور اور قابل فخر عالمگیرین کا تذکرہ ہونے کی حیثیت سے اس کتاب کی اشاعت عالمگیرین ایسوسی ایشن کے لئے بھی بڑی خوش آئند بات ہے۔



**سلمان**  
SALMAN SALEEM  
PRESENTS



# فہرست

۵	پیش لفظ
۱۱	از جنرل محمد اقبال خان، ہلال امتیاز، ستارہ جلالیت
	دیباچہ

## باب اول کاروان زندگی

۱۳	ذاتی کوائف
۱۷	۱- حیات شہید کی چند جھلکیاں
۲۲	۲- آبا و اجداد
۲۳	— گھگھڑوں کی مختصر تاریخ
۲۵	— حق نواز کیانی کے والد
۲۸	۳- پیدائش
۲۸	۴- بچپن
۲۹	۵- ابتدائی تعلیم
۳۰	۶- حق نواز ملٹری کالج جہلم میں
۳۰	۷- اہم مکتب دوستوں کے تاثرات
۳۰	— کیپٹن نواب خان ملک
۳۱	— صوبیدار میجر شہزاد عالم
۳۲	— کرنل رشید احمد کیانی، ستارہ جرات
۳۳	— بریگیڈیر (ریٹائرڈ) محمد اقبال
۳۵	— میجر جنرل (ریٹائرڈ) ممتاز علی شاہ جرات (دوبارہ)
۳۷	— میجر محمد سرور خان
۳۸	— کیانی ادر کرمل سٹینگ
۳۹	— میجر جنرل (ریٹائرڈ) غلام محمد

- ۴۳۔ کیانی کی طالب علمانہ زندگی کا نقطہ عروج
- ۴۴۔ دورِ رفتہ کے ایک افسانہ شہزادی صاحبہ کے تاثرات
- ۵۰۔ ۹۔ حق نواز او۔ بی۔ ایس مہو میں۔ میجر محمد سرور کا بیان
- ۵۲۔ کیلشن اور اس کے بعد کی باتیں
- ۵۲۔ شادی
- ۵۲۔ ۱۰۔ ۱۹۴۸ء کے کشمیر آپریشن میں حق نواز کا حصہ
- ۵۳۔ ۱۱۔ ۵۷۔ ۱۹۵۶ء میں کوٹاٹ میں تعیناتی
- ۵۴۔ ۱۲۔ ۶۱۔ ۱۹۶۰ء کا معرکہ
- ۵۵۔ ۱۳۔ دشمن کے عین سامنے نماز
- ۵۷۔ ۱۴۔ ۱۹۶۵ء کے معرکوں کی داستان۔ انڈین کرمل قاضی بھان تہارہ جرات
- ۵۷۔ — کرمل کیانی کی عین گھمسان کی لڑائیوں میں کیفیت
- ۵۹۔ — دشمن کی فوج جو کیانی کی قیادت میں نغمہ اجل بن گئی
- ۵۹۔ — کرمل بلیر کے الفاظ
- ۶۱۔ — کرمل بلیر کا انجام
- ۶۳۔ ۱۵۔ کشمیری مجاہد راج محمد کا انٹرویو
- ۶۸۔ ۱۶۔ ستارہ جرات کا اعزاز اور اس پر کیانی کا رد عمل
- ۶۸۔ ۱۷۔ کرمل کے عہدے پر ترقی
- ۷۰۔ ۱۸۔ ۱۹۷۰ء میں ریٹائرمنٹ
- ۷۰۔ ۱۹۔ ریٹائرمنٹ کے بعد
- ۷۰۔ ۲۰۔ جنگ دسمبر ۱۹۷۱ء میں دوبارہ محاذ پر
- ۷۲۔ ۲۱۔ کفن کا ٹکڑا
- ۷۲۔ ۲۲۔ لیپا ویلی کا محل وقوع
- ۷۷۔ ۲۳۔ معرکہ لیپا ویلی کا پس منظر
- ۷۹۔ ۲۴۔ کرمل حق نواز نے جینج قبول کر لیا
- ۸۱۔ ۲۵۔ معرکہ کی نوعیت
- ۸۱۔ ۲۶۔ جہاد شروع ہوتا ہے

۸۹. ۲۷۔ لیپاویلی کا معرکہ  
 ۹۲. ۲۸۔ دوسرا ستارہ جرات  
 ۹۳. ۲۹۔ حق نواز کیانی کے آخری لمحوں کی رویت  
 ۹۵. ۳۰۔ شہادت  
 ۹۶. ۳۱۔ معرکہ لیپاویلی کی اہمیت  
 ۹۷. ۳۲۔ تجہیز و تکفین  
 ۹۸. ۳۳۔ شہادت کی حسرت  
 ۹۸. ۳۴۔ شہادت سے پہلے شہادت کا احساس  
 ۹۹. ۳۵۔ شہادت سے فوراً پہلے کے چند خطوط

### باب دوم

۱۰۳. شخصیت و کردار  
 ۱۰۴. ۳۶۔ شہید کا کردار اپنے گھر والوں کے تاثرات کی روشنی میں  
 ۱۰۵. — کیا فی شہید کی والدہ ماجدہ کا انٹرویو  
 ۱۰۷. — شہید کی دوسری والدہ کے تاثرات  
 ۱۰۹. — بگم کیانی کا قبصرہ  
 ۱۱۷. — بیٹے کی کہتے ہیں  
 ۱۲۲. — ماموں زاد بھائی اور خسر کے تاثرات  
 ۱۲۶. — بھتیجے کی یادیں  
 ۱۲۷. — بیوی کے نام کے نفل  
 ۱۲۸. — دعا کی تاثیر  
 ۱۲۹. — داماد کی باتیں  
 ۱۳۰. — شہادت کی تمنا  
 ۱۳۲. — مجاہد راج محمد کی یادیں

۳۷۔ حق نواز کیانی دوستوں، ساتھیوں اور معصروں کی نظریں ۱۲۷

— بریگیڈیئر محمد صادق خان کی یادیں ۱۲۷

— بریگیڈیئر محمد حیات ستارہ جرات کے تاثرات ۱۴۰

— لیفٹیننٹ کرنل رشید احمد ستارہ جرات کی یادیں ۱۴۳

— میجر جنرل ممتاز علی ستارہ جرات دو بارہ کے تاثرات ۱۴۵

— میجر جنرل غلام محمد کانسٹریبل ۱۴۶

— جنرل محمد اقبال خان ہلال امتیاز ستارہ بسالت کانسٹریبل ۱۴۸

— بریگیڈیئر عطاء محمد خان ملک ستارہ امتیاز کے تاثرات ۱۴۹

— لیفٹیننٹ کرنل محمد یونس ستارہ جرات کہتے ہیں۔ ۱۵۱

— لیفٹیننٹ کرنل محمد نسیم لکھتے ہیں۔ ۱۵۲

— کرنل ہاشمی کا بیان ۱۵۳

— راجہ محمد اسلم کے تاثرات ۱۵۳

— بریگیڈیئر شیر علی باز کانسٹریبل ۱۵۴

— لیپا کے مولوی نصر اللہ خان کانسٹریبل ۱۵۶

— کیپٹن محبت از علی خان کے تاثرات ۱۵۸

— آزاد کشمیر میں خراج عقیدت کا ایک جلسہ ۱۶۰

— ایک احسان مند کے تاثرات ۱۶۱

۳۸۔ حاصل کلام ۱۶۲



# دیباچہ

یہ کتاب ایک ایسے انسان کی داستانِ حیات ہے جس نے ان زنجیروں کو توڑ پھینکا تھا جو ہم عام آدمیوں کو جکڑے رہتی ہیں۔ یہ ایک ایسے مجاہد کی سوانحِ حیات ہے جس کا ایمان عین یقین کے درجے کا تھا۔ یہ ایک ایسے پختے اور پکے مومن کے کارناموں کی کہانی ہے جو اسلامِ پاکستان، اور کشمیر کا دیوانہ تھا۔ اب ایسے دیوانے کہاں سے آئیں گے؟ لیکن جب تک آتشِ غرور ہے اس میں بے خطر کو دپڑنے والوں کی ضرورت تو ہوتی رہے گی۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

حق نواز کے لئے اس قول کی نوعیتِ قال کی نہیں حال کی تھی۔ وہ شہادت کے طالب نہیں عاشق تھے۔ ان کی نظر میں موت ہلاکت نہیں کشادہ درِ دل تھی۔

کشادہ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو

ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

لیپا و ملی کا معرکہ پاکستان کی عسکری تاریخ اور قومی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد قوم پر اضمحلال اور مایوسی کے جو بادل چھائے ہوئے تھے ان کو اس ضربِ کاری نے چھانٹ کے رکھ دیا۔ عزم و حوصلہ کی ایک نئی لہر نے سارے قومی انقی کو روشن کر دیا اور یہ کامیابی بڑی حد تک حق نواز کیانی کی قوتِ ایمانی اور جذبہ جہاد کی رہین منت تھی۔

لیکن حق نواز صرف ایک فرد ہی نہیں ایک علامت بھی تھے ایک روایت بھی تھے جس کو پاکستان میں اور اسلامی تاریخ میں بے شمار حق نوازیوں نے قائم و دائم رکھا ہے۔

اس کتاب کو ترتیب دینے کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ یہ چراغ جلتا رہے حق نواز نے جن روایتوں کو تازہ کیا ان کو زندہ رکھنے کے لئے اس قوم میں حق نواز پیدا ہوتے رہیں۔ ان ادراک کی تالیف میں جن جن اصحاب نے تعاون کیا میں ان سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ ان سب کا نام بہ نام شکریہ ادا کرنا تو طوالت کا باعث ہوگا پھر بھی میں اولڈ بوائز میں سے جنرل محمد اقبال خان، میجر جنرل محنت ز علی، میجر جنرل غلام محمد، بریگیڈیئر محمد صادق خان، بریگیڈیئر محمد اقبال، بریگیڈیئر محمد حیات، لیفٹیننٹ کرنل رشید احمد، میجر محمد سرور خان اور میجر یار افضل آفریدی کا شکریہ بطور خاص ادا کرنا چاہتا ہوں کہ ان حضرات نے وقت نکال کر ہمارے سوالات کا جواب لکھایا انٹرویو کے لئے وقت نکالا۔ ان اولڈ بوائز کے علاوہ بریگیڈیئر شیر علی باز، مولوی نصر اللہ خان، مجاہد راج محمد اور کیانی شہید کے تمام اقرباء اور اعداء کا شکریہ گزار ہوں کہ انہوں نے بھی مواد کی فراہمی میں بھرپور مدد دی۔ سبحان اللہ یہاں بھی خصوصیت سے میجر محمد یعقوب صاحب کا ذکر ضروری ہے کہ جن کی خصوصی دلچسپی کے بغیر اس کتاب کا تیار ہونا مشکل تھا۔ جزاک اللہ

یہ کتاب میں طبری کا لچ کے قدیم اور حال طلبہ کی نذر کرتا ہوں۔

سعید راشد

شیر شاہ ٹاؤن ۶ ستمبر ۱۹۸۰ء

باب اول

# کاروان زندگی

جوئے شیر و میشہ و سنگِ گراں ہے زندگی  
(اقبال)

**سلمان**  
**SALMAN SALEEM**  
PRESENTS



## ذاتی کوائف

طرزی کالج نمبر	۸۳۵
زمانہ تعلیم طرزی کالج	۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۳ء
مکیش	۱۹۴۵ء او۔ بی۔ ٹی۔ ایس مہو
تاریخ شہادت	۵ مئی ۱۹۷۲ء
مقام شہادت	چانٹا (کیان) رج۔ لیپاویلی
اعزاز	سارہ جرأت ۱۹۶۵ء
	سارہ جرأت ۱۹۷۲ء
مدفن	موند (جہلم)

**سلمان**  
**SALMAN SALEEM**  
PRESENTS

## حیات شہید کی چند جھلکیاں

جولائی ۱۹۳۶ء کی ایک تپتی دوپہر تھی گرمی کی وجہ سے مونہ پنڈ کے آس پاس کے کھیتوں میں کوئی دو ایک کسان ہی اپنے ہل بیل لئے مصروف کار تھے۔ لیکن ذرا ہٹ کے ایک کھلے میدان میں نو دس برس کی عمر کا ایک دبلا پتلا لیکن گورا چٹا لڑکا ایک گھوڑے پر سواری کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار گرا۔ لوٹ پوٹ کے گھڑا ہوا ادر باگ پکڑ کے پھر سوار ہو گیا ابھی دو چار قدم چلا ہو گا کہ منہ زور گھوڑے نے پھر گرایا۔ اب کے گرا تو کچھ چوٹ بھی لگی۔ کھیتوں میں جو کسان تھے وہ تماشا دیکھنے لگے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

”یہ کون ہے؟ کس کا بیٹا ہے؟“

”صوبیدار اللہ دتہ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے“

”گھوڑا بھی منہ زور ہے، لڑکا بھی منہ زور ہے دو بار گر چکا ہے۔ لیکن بچیرے کی

جان نہیں پھوڑتا۔“

جب یہ مندی لڑکا تیسری بار گھوڑے سے ایک جھاڑی پر گرا اور کانٹے چبھنے سے ہاتھ اور چہرے سے خون رسنے لگا تھا۔ لڑکا لنگڑا رہا تھا لیکن پھر بھی گھوڑے کی لگائیں کھینچی ہوئی تھیں۔ اس کا ارادہ پھر چڑھنے کا تھا۔ آخر کانٹوں سے نہ رہا گیا۔ کھیت پار کر کے اس کے پاس پہنچے۔

”بس کر بیٹے، تیرے بہت چوٹ لگی ہے۔“

”پھیرا اکڑ گیا ہے تجھے بیٹھنے نہ دے گا۔“

یہ سن کر لڑکا بولا۔

اگر یہ اکڑا ہے تو میں ضرور اس کی اکڑ نکالوں گا خواہ مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ اس بد ذات نے جتنا میرا

پسینہ نکالا ہے اس سے زیادہ میں اس کا پسینہ نکالوں گا۔ یہ کہہ کر لڑکا اچک کر گھوٹے پر سوار ہوا، لگام کھینچی۔ بہڑکی پتی قمی کھینچ گھا کر گھوٹے کے لگائی اور یہ جاوہ جا اس بار گھوڑا لڑکے کی گرفت میں تھا۔ گھنٹہ آدھا گھنٹہ وہ گھوٹے کو دوڑاتا رہا جب گھوڑا ہانپ گیا اور پسینہ اس کی لیاں سے ٹپکنے لگا تو لڑکا گھوٹے سے کود کر اتر ا۔ گھوٹے کی گردن کو تھپتھپایا اور کہا۔

”اب ٹھیک ہے آئندہ مستی مت کرنا۔“

یہ ملٹری کالج ہے۔ نومبر ۱۹۴۲ء کی ایک شام۔ کالج میں ہر طرف ہلچل ہے۔ جہاں دو لڑکے جمع

ہیں وہاں ایک ہی واقعہ زیر بحث ہے جو پریڈ گراؤنڈ پر پیش آیا۔

”پریڈ پر جمعہ دار ایجوٹینٹ کاکین پکڑ کر توڑ دینا کوئی معمولی بات ہے۔“

”اب کیا ہوگا؟“

”کمانڈنٹ اس کو کالج سے نکال دیں گے۔“

”نکالیں گے کیوں؟ جمعہ دار ایجوٹینٹ نے پریڈ پر سب کے سامنے اس کی بے عزتی کیوں

کی؟ اس کے کین کیوں مارا؟“

”مارا کہاں؟ آہستہ سے ٹھوکا دیا تھا۔“

”اس سے کیا ہوتا ہے۔ بے عزتی تو ہوئی۔“

بے عزتی کی کیا بات ہے۔ کیا سینئر اور افسر جو نیئرڈوں کو مارا نہیں کرتے؟

مگر اس طرح نہیں۔ کیانی بڑا عزت دار ہے۔ اس کو بھی غصہ آگیا اور اس نے ایجوٹینٹ کاکین

لے کر چہرے کر دیا۔ واہ واہ آدمی ہو تو ایسا ہو۔



”مرا تو آگیا جب برا حشر ہو گا تو پتہ چلے گا۔  
خواہ کچھ ہو لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ کیانی ہے بڑا دلیر۔  
ڈرنا تو اس نے جیسے سیکھا ہی نہیں۔

اور یہ واقعہ ۱۹۴۴ء کے رمضان کا ہے۔ سنٹرل انڈیا میں مہو آفیسرز ٹریننگ اسکول کی ایک  
بیرک میں ایک کیڈٹ عصر کی نماز پڑھ رہا ہے اتنے میں ایک دوسرا مسلمان کیڈٹ سگریٹ  
پیتا بیرک میں آ جاتا ہے۔ نماز پڑھ کے اس نے سلام پھیرا تو اس مسلمان کیڈٹ کو بیباکی و ربے شری  
سے سگریٹ پیتے دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے، مسلمان ہو کر یوں کھلے خزانے سگریٹ پی رہے ہو۔“  
”تو تمہیں اس سے کیا؟“

کچھ دیر دونوں میں بحث ہوئی لیکن وہ روزہ خود بد زبانی کرنے لگا تو یہ نوجوان کیڈٹ یہ  
کہہ کر اس پر جھپٹا کہ میں تمہیں اس کا مزہ چکھاتا ہوں۔ وہ جان بچا کر بھاگا۔ لیکن نوجوان کیڈٹ  
نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ وہ گتاخ کپنی سارجنٹ میجر فین کے سامنے جاگرا۔  
یہ کوہاٹ ہے ۵۹-۱۹۵۸ء، نوجوان میجر اپنی بیگم اور بچوں کے ساتھ بازار سے گزر رہا  
ہے۔ ایک فقیر نے دست سوال دراز کیا میجر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جو ہاتھ میں آیا بغیر  
دیکھے فقیر کے حوالے کیا۔ بیگم نے کہا۔

”دیکھ تو لیا کیجئے کہ کیا دے رہے ہیں یہ جو نوٹ۔ تمہے کتنے کے تھے؟ آپ جب دیتے ہیں  
تو اس طرح دیتے ہیں۔“

”بیگم دیکھن کیا جو اس کا مقدر تھا اس کو مل گیا۔“

”آپ یہاں آکر بہت بدل گئے ہیں۔“

”یہ مرشد کا فیض ہے۔“

یہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ ہے اندرون مقبوضہ کشمیر ایک ہندوستانی بٹالین ۸ کماؤن کے سی اور کرنل بلیر نے اپنی بٹالین کے دربار میں کہا۔

دیکھو پاکستان کا ہندوستان سے کیا مقابلہ یہ عالی شان ریسٹ ہاؤس دیکھو جس میں بٹالین کا ہیڈ کوارٹر اور آفیسر میں ہے۔ اس کے کونے میں ایک غسل خانہ بھی ہے بس یہ نسبت ہے پاکستان کی ہندوستان سے۔

یہ خبر جب پاکستانی میجر کو پہنچی جو اس علاقے میں کمانڈر ایکشن کر رہا تھا تو صبح سویرے کرنل بلیر کو اس کے میس میں آن لیا۔ اس نے بھاگ کے میس کے غسل خانے میں پناہ لی پاکستانی افسر نے لاکھارا اب کہاں جاؤ گے؟ اسی غسل خانے میں تمہاری موت لکھی ہے۔

یہ جون ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے پی ایم اے کے میس میں لیفٹیننٹ کرنل اب (بریگیڈیئر) اسلم جنجوعہ کسی کو اپنے ستارہ جرات کے بارے میں بتا رہے تھے کہ ایک اور سرورق دار اسمارٹ لیفٹیننٹ کرنل بڑی شان سے اندر داخل ہوا۔ اسلم جنجوعہ کو دیکھا تو سیدھا ان کے پاس آیا۔

”ہیلو۔ سر، آپ کو ستارہ مبارک ہو، آپ لے کالج کا نام بھی اونچا کیا ہے۔“

”شکریہ، آپ کو بھی مبارک ہو، آپ کے تسارے کی بھی بہت دھوم ہے۔ بڑا زبردست ایکشن تھا آپ کا اور ہاں پروموشن بھی مبارک ہو۔“

”سر، ستارہ! تو خیر مل گیا پروموشن بھی ہو گیا لیکن اپنی مراد نہیں برآئی۔“

۴ دسمبر ۱۹۶۷ء کی صبح ہندوستانی طیارے منگلا پھاؤنی پر نیچے آ کے حملے کر رہے تھے اور راکٹ گرا رہے تھے۔ ریٹائرڈ افسر دوبارہ جنگ پر جلنے کی جلدی جلدی تیاری کر رہا تھا کہ جہازوں کی گڑگڑاہٹ سن کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کا بڑا بیٹا بھی باہر ہی تھا۔ اس نے پوچھا ڈیڑی، ہندوستانی جہاز اتنے نیچے آتے ہیں اور اتنے آہستہ سے، کوئی ان کو گرتا کیوں نہیں؟

”بیٹے جو خطرہ مول لے لیتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے دیر کے ساتھ خدا ہوتا ہے خواہ اس

کا مذہب کچھ ہوا صغیر! جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بزدل کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

یہ ۴ دسمبر ہے، وہی افسر اپنی ماں کے حضور کھڑا ہے۔

”جے جی! اب پھر جہاد پر جا رہا ہوں اسی کشتی میں کافروں سے لڑوں گا۔ کچھلی بار محروم رہا تھا۔ اب کے آپ دعا کریں کہ میری مراد پوری ہو جائے کسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور مجھے سرخرو ہونے کا موقع مل جائے کسی طرح بستر کی موت کی ذلت سے بچ جاؤں۔“

”جے جی میں شش میں بھی آپ کی خدمت کروں گا بس آپ دعا کریں اس بار اللہ میری آرزو پوری کر دے۔“

یہ ۲ مئی ۱۹۷۲ء ہے، پاک فوج کا کرنل لیپا کی مسجد سے جمعہ کی نماز پڑھ کے نکلا اور لیپا کے بازار سے گزرتے ہوئے حاجی شیر زمان کی ہوکان سے سفید لٹھے کا ایک ٹکڑا خریدا اور سر سے باندھ لیا، جو لوگ ساتھ تھے انہوں نے پوچھا۔

”کرنل صاحب ایہ کیا؟“

یہ میرے کفن کا حصہ ہے۔ شہادت کی مجھے برسوں سے آرزو ہے۔ آپ لوگ دعا کریں کہ مجھے شہادت نصیب ہو اور یہ ٹکڑا میرا کفن بن جائے اور ہاں ساتھ ہی یہ دعا ضرور کریں کہ جب تک چمک پتر اسے ہندوؤں کو نہ نکال دو خدا مجھے موت نہ دے۔

یہ ۲ مئی ۱۹۷۲ء ہے۔ لیپا دیہلی میں ہندوستانی فوج نے پاکستان پورٹ بیرو والی نارٹھ کا محاصرہ کر رکھا ہے دو دن سے پوسٹ کو رسد نہیں پہنچی۔ پوسٹ سے مواصلاتی نظام بھی کٹ چکا ہے دیہلی میں سخت کھنچاؤ ہے۔ اس حالت میں دونوں طرف کے کمانڈروں کی ایک میٹنگ ہوتی ہے۔ ہندوستان کی طرف سے کرنل چنگیا پاتا ہے، ادھر سے یہ مردِ مومن۔

”کرنل چنگیا پاتا آپ کا ملک اتنا بڑا ہے اس ذرا سی پوسٹ پر قبضہ کر کے آپ کیا حاصل کرنا چاہتے

ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ پوسٹ کا راستہ کھول دیں۔

”میں یہ راستہ نہیں کھول سکتا بہتر ہے کہ آپ یہ پوسٹ خود ہی چھوڑ دیں ورنہ جو کام ہم نے ایسٹ میں کیا ہے۔ ویسٹ میں بھی کر سکتے ہیں۔“

کرنل چنگیا یا۔ آپ غلطی پر ہیں آپ زیادتی کر رہے ہیں۔

”میں وہی کرتا ہوں جو میرے آقا مجھے حکم دیتے ہیں۔ میں یہ راستہ ہرگز نہیں کھول سکتا۔“

”پھر میں بھی وہی کروں گا جو میرا احسان مجھے حکم دے گا۔ راستہ ہم خود کھول لیں گے۔“

یہ واقعات اور مکالمے لیپا ویلی کے ہیرو لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید ستارہ جرات

(دوبارہ) سے متعلق ہیں۔ یہ مکالمے ان کی زندگی کی بعض دردوں اور ان کے کردار کی بعض بنیادی خصوصیتوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔

حق نواز کیانی ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی زندگی ہی میں ایک داستان بن جاتے ہیں جن

حالات میں اور جس طریقے سے ان کی شہادت وادی کیان (لیپا ویلی) میں ہوئی اس نے انہیں قوم کا اور پاکستان کی عسکری تاریخ کا ایک ہیرو بنا دیا ہے۔

حق نواز کیانی شہید کی داستان حیات کے کچھ اوراق قدرے تفصیل سے پس منظر کے حوالے اور واقعات کے تجربے کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

## آبا و اجداد

حق نواز کیانی کا نسلی تعلق گکھڑوں کے مشہور و معروف قبیلے سے تھا۔ جو صدیوں پہلے انک

اور جہلم کے درمیانی علاقے میں اپنے زور و بازو سے حکمرانی کرتے رہے ہیں اس زلزلے سے لے

کر دوسری جنگ عظیم تک گکھڑوں کے جیالوں اور جوانوں کا محبوب ہمیشہ سپاہ گری ہی تھا:

## گکھڑوں کی مختصر تاریخ

پوٹھوہار کے علاقے میں گکھڑوں کا قبیلہ عرصہ دراز سے آباد ہے۔ ضلع ہزارہ، خانیپور،

کھوٹہ، ڈوٹیلی اور رہتاس کے قرب و جوار میں گکھڑوں کی آبادی نسبتاً زیادہ ہے۔

گکھڑوں کی اصل و نسل کے بارے میں مورخوں میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ گکھڑ یونانی نسل ہیں اور ان کا سلسلہ نسب سکندر اعظم تک جا پہنچا ہے۔ بعض ان کا رشتہ وسط ایشیا کے وحشی تورانی قبائل سے ملاتے ہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ گکھڑ خراسان اور افغانستان کے شمالی علاقوں سے نقل مکانی کر کے تیسری صدی عیسوی میں پنجاب میں آباد ہوئے لیکن بیشتر محققوں کا اتفاق اس امر پر ہے کہ گکھڑ اصلاً و نسباً، کیانی ہیں اور ان کا سلسلہ نسب ایران کے گنگوہر یا گگوار شاہ (عرف عام گکھڑ شاہ) سے شروع ہوتا ہے۔ یہ قبیلہ کبھی اصفہان میں حاکم تھا۔ وہاں سے یہ لوگ کشمیر اور تبت کی طرف بڑھے اور ایک عرصے تک وہاں کے حاکم رہے پھر انہیں واپس کابل و حکیل دیا گیا۔ اس کے بعد گکھڑ گیارہویں صدی میں محمود غزنوی کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوئے۔

اقبال نامہ جہانگیری اور اکبر نامہ میں گکھڑ شاہ کو محمود غزنوی کا ایک سردار بنایا گیا ہے۔

بہر حال یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ گکھڑ اصل میں ایرانی ہیں یہ پنجاب میں افغانستان کے راستے سے داخل ہوئے تھے اب کچھ گکھڑ اپنے ایران کے کیانی بادشاہوں سے نسبتی تعلق کی بنا پر اپنے آپ کو کیانی کہلاتے اور رکھتے ہیں۔ شروع میں گکھڑوں کے حاکم سلطان کہلاتے تھے۔ پھر انہوں نے راجہ کالقب اختیار کر لیا۔ دہلی کے حکمرانوں کے ساتھ اس قبیلے کا کثران بن رہی شہاب الدین غوری کے ساتھ تیرھویں صدی میں گکھڑوں نے ٹکری پہلے تو ان کو شکست ہوئی بعد کو جب غوری قنوج دہلی میں پہنچو راج کو شکست دے کر اپنے وطن غور واپس جا رہا تھا تو راستے میں گکھڑوں نے شبخون مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ محمد تغلق کے دور میں گکھڑوں نے راوی تک کا علاقہ



فتح کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا تھا۔

ضلع جہلم میں یہ پہلے پہل سلطان پور کے علاقے میں داخل ہوئے اور جنجوعوں کے ساتھ کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں یہ غالب رہے۔ بابر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو اس کا مقابلہ پھر ہالہ ضلع (راولپنڈی) کے گکھڑ سردار ہاتھی خان سے ہوا۔ اس گکھڑ سردار کے چچا زاد بھائیوں سلطان سارنگ خان اور آدم خان نے بابر کی کچھ مدد کی تھی۔ بابر نے پوٹھوہار کا علاقہ ان گکھڑ سرداروں کو دے دیا۔ منگل بادشاہوں کے دور میں گکھڑ اس علاقے کے خود مختار حاکم رہے۔ اکبر کا ایک سپہ سالار بھی گکھڑ تھا۔

۱۵۴۲ء میں جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست دے کر اس کو کابل کی طرف بھاگنے پر مجبور کیا اور اس آویزش میں گکھڑوں نے ہمایوں کا ساتھ دیا۔ اس لئے ان کی سرکوبی کے لئے شیر شاہ سوری نے جہلم سے دس میل دور نالہ گھان کے کنارے رہتاس کا مشہور قلعہ بنوایا۔ شیر شاہ سوری کے ساتھ لڑائی میں گکھڑ سردار سلطان سارنگ خان مارا گیا اور اس کی بیٹی کی شادی سوری جرنیل خواص خان سے کر دی گئی۔ گکھڑوں کی لڑائی شیر شاہ کے جانشین اسلام شاہ کے ساتھ بھی جاری رہی۔ سلطان سارنگ خان کے مرنے کے بعد یہ قبیلہ زیادہ تر آپس میں برسرِ پیکار رہا۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں گکھڑوں کا سردار سلطان مقرب خان تھا جس نے یوسف زئی افغان اور خشک کے جانگ کلی خان کو شکست دی۔ اس کے سوشلے بلند تھے وہ گجرات پر بھی چڑھ دوڑا اور راجپوتوں کے علاقے کو بھمبر تک فتح کر لیا۔ اس نے ہندوستان پر حملے کے دوران احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دیا۔ لیکن ۱۷۶۵ء میں سردار گوجر سنگھ سے گجرات کے مقام پر شکست کھائی۔ شکست کے بعد مقرب خان کو اس کے ایک گکھڑ بھائی سردار ہمت خان نے ہلاک کر دیا۔ انیسویں صدی کے وسط میں انگریزی عملداری شروع ہونے تک اس علاقے پر سکھ قابض رہے۔ انگریزوں نے گکھڑوں کی جاگیریں بحال کیں۔ خطابات سے نوازا اور ان کے زور بازو سے دو عالمی جنگوں میں فائدہ اٹھایا۔ پاکستان بننے کے بعد سے گکھڑ پاکستان کے بازوئے شمشیر بنے ہوئے ہیں۔



گکھر نسلًا اور روایتاً، جنگجو ہے ہیں۔ بہترین عسکری روایات کے حامل ایرانی النسل ہونے کے ناطے سے اب بھی اپنی قد و قامت رنگ و روپ، ڈیل و ڈول کے لحاظ سے دوسروں سے عموماً ممتاز نظر آتے ہیں۔

گکھڑوں کی بہت سی گوتیں ہیں حق نواز کیانی کا تعلق گکھڑوں کی بگیاں گوت سے تھا۔

## حق نواز کے والد

حق نواز کیانی کے والد راجہ اللہ دتہ نے خاندانی روایات کے مطابق سپاہ گری کے پیشے کو اختیار کیا وہ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں ۲/۶ راجپوتانہ رائل فیلز میں بھرتی ہوئے اور ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے صوبہ دار ہوئے تھے کہ ۶ جنوری ۱۹۴۰ء کو بنوں کے قریب قبائلیوں سے ایک جھڑپ میں کام آئے۔ صوبہ دار اللہ دتہ کی شخصیت کے متعلق ایک انٹرویو میں ان کے بھائی میجر محمد یعقوب نے کہا۔

میری عمر اس وقت کم دبش اسی برس کی ہے۔ میں نے بڑے ماموں صوبہ دار اللہ دتہ کا بچپن بھی دیکھا ہے ان کی شوخ جوانی بھی دیکھی ہے۔ ۳۸ برس کی عمر میں ان کا بنوں کے قریب قبائلیوں سے ایک لڑائی میں کام آنا بھی یاد ہے۔

صوبہ دار اللہ دتہ عام قسم کے نہیں بلکہ بڑے زندہ دل اور زوردار قسم کے صوبہ دار تھے۔ ان کی صلاحیتیں حق نواز سے کم نہیں زیادہ تھیں۔ قد کاٹھ، صورت و شکل میں بھی وہ لاجواب تھے۔ بہت زندہ دل اور پرامن آدمی تھے۔ اپنی صلاحیتوں اور طرز زندگی کی انفرادیت کی وجہ سے اپنی پلٹن میں ہی نہیں ساری رجمنٹ میں مشہور تھے ان کے انگریز افسرانہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

صوبہ دار صاحب مرحوم میں متضاد صفات یکجا ہو گئی تھیں۔ مزاج کے بڑے تند تھے۔

بات بات پر لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ خطر پسند تھے۔ نڈر تھے۔ بچپن میں بھی جوانی میں بھی ان کی موت بھی بے خوفی سے کھلے میدان میں قبائلیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ہوئی۔ دوسری طرف مزاج میں شوقینی بھی تھی۔ کپڑے پہننے کا۔ مٹھا مٹھا باٹھ سے رہنے کا گانے بجانے کا شوق بھی تھا۔ اس زمانے کے لحاظ سے خاصے پڑھے لکھے تھے۔ میٹرک کیا تھا۔ آری اسکول آف ایجوکیشن بلگرام (جنوبی ہند) میں ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک انٹر کرا رہے تھے۔ ان کے والد راجہ غلام رسول خان بھی قدآور اور رعب دار آدمی تھے۔ چچا غلام محمد فوج میں جمعدار (نائب صوبیدار) تھے۔

مشہور ہے کہ ابھی صوبیدار اللہ دتہ حوالدار ہی تھے کہ انہوں نے ایک بڑی دعوت کی۔ آس پاس کے معتبر اور معزز لوگوں کو بلایا۔ دعوت میں دل کھول کے پیسہ خرچ کیا بعد میں گانا بجانا بھی ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کوئی حوالدار اللہ دتہ بھی مونا پنڈ میں رہتا ہے اور کچھ حیثیت رکھتا ہے۔ جب وہ چھٹی پر آتے تھے تو بڑی محفلیں آراستہ کرتے تھے رات رات بھر محفلیں جیتیں خود بھی ہار موزیم پر گاتے۔ دوست احباب جمع ہوتے اور مجلس آرائی ہوتی۔ صوبیدار اللہ دتہ کو صاف ستھرے سلیقے سے بلکہ اہتمام سے کپڑے پہننے کا بہت شوق تھا۔ وردی بے داغ ہوتی تھی دھوبی سے کہا ہوا تھا کہ میرے کپڑے علیحدہ دھویا کرو میں تمہیں اس کے علیحدہ پیسے دوں گا۔ دوسری ہدایت یہ تھی کہ ان کی پتلون کو تہ نہ کیا جائے خاص قسم کے ہینگ پر ان کی پتلون سیدھی لٹکائی جاتی تھی اور وہ اسے اس اہتمام سے پہنتے تھے کہ بہت کم شکن پیدا ہوتی۔

۸ جنوری ۱۹۴۰ء کو لوتم برگ کے مقام پر مارے گئے یہ مقام کوہاٹ سے بنوں روڈ پر ۱۶ میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں ایک چھوٹا سا پل ہے جہاں یہ حادثہ پیش آیا۔

یہ علاقہ قبائلیوں کی لوٹ مار کی زد میں تھا۔ آمدورفت کو محفوظ کرنے کے لئے وہاں فوج



کا ایک دستہ تین تین ہینے کی ڈیوٹی پر رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں صوبیدار اللہ دتہ کو ایک پکینی کی کمان دے کر وہاں بھیجا گیا چونکہ یہ مجلسی آدمی تھے گانے بجانے سے بھی شوق تھا۔ (گراموفون ریکارڈ اور ساز ساتھ تھے) اس شوق سے انہوں نے کام لیا اور موسیقی کی مٹھلیں آراستہ کرنے لگے جس میں آس پاس کے قبائلیوں کو بھی دعوت دیتے۔ کھانا پینا بھی ہوتا۔ اپنا زمانہ ڈیوٹی پورا ہونے پر صوبیدار اللہ دتہ نے ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا اور اپنے قبائلی دوستوں کو بھی بلایا۔ دوسرے روز وہ روانہ ہوئے ابھی کنوائے، اسنگ میل پر پہنچا تھا کہ اس پر فائر ہوا۔ کنوائے کی کمان صوبیدار اللہ دتہ کے بھائی حوالدار محمد جان کر رہے تھے۔ فائرنگ کی آواز سن کر حوالدار محمد جان نے ڈرائیور سے کہا گاڑی تیز کرو اور دوسری گاڑیوں کے ساتھ چل کو پار کر لیا لیکن صوبیدار اللہ دتہ نے اپنے ڈرائیور سے کہا گاڑی روک لو۔ اب بھاگنا بزدلی ہے۔ ان کو سبق سکھانا چاہیے۔ وہ گاڑی سے نکل آئے۔ پستول نکالا ایک جوابی فائر کیا اور پوزیشن لے لی۔ دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ آخر کار ایک گولی ان کے سینے میں آ کے لگی اور اس نے ان کا کام تمام کر دیا۔

بعد کو جب قبائلیوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے تو صوبیدار اللہ دتہ کو مار دیا ہے تو انہیں بہت افسوس ہوا وہ لوگ ان کے گاؤں تک آئے کہتے تھے کہ لاعلمی میں ان کو نقصان پہنچ گیا۔ اس ایکشن پر صوبیدار اللہ دتہ کو انعام و کرام دیا گیا۔ ان کا مائٹنگ انسر لیفٹیننٹ کرنل میکے ان کے گاؤں مونہ پنڈٹ تک آیا تھا۔ مختصر یہ کہ بہت سی خوبیاں اور عادتیں حق نواز نے اپنے باپ سے وراثت میں پائی تھیں۔ وہی انتہا پسندی وہی پر جوش طبیعت، وہی انجام سے بے نیازی وہی کھلا ہاتھ اور کھلا دل۔ فرق صرف یہ تھا کہ حق نواز کا قلب جلد ہی ایک مرشد کی توجہ سے روشن ہو گیا تھا جس نے اس کی زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔

## پیدائش

جہلم شہر کے مغرب میں جی ٹی روڈ سے تقریباً بارہ پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر کالاڈپو کے قریب اہلہلاتے کھیتوں میں گھرا ہوا ایک گاؤں مونہ پنڈ ہے جہاں گکھڑوں کے کچھ خاندان آباد ہیں اس گاؤں کی مسجد کے قریب ایک کتادہ مکان ہے جو اب پکا ہو چکا ہے۔ یہاں ۱۰ جنوری ۱۹۲۶ء کو صوبیدار اللہ تہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا چونکہ اللہ نے انہیں دو بیٹیوں کے بعد ایک بیٹے سے نوازا تھا۔ غالباً اس لئے انہوں نے اس کا نام حق نواز رکھا لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ اس بچے پر آگے چل کر حق تعالیٰ کی خصوصی نوازش ہوگی اور وہ ایک روز پاکستان اور پاکستان کی فوج کا ایک ہیرو بنے گا اور محض اس وجہ سے ان کا نام بھی تاریخ میں زندہ رہے گا۔

## بچپن

حق نواز کے بچپن کے بارے میں ان کی والدہ کہتی ہیں:

حق نواز دو بیٹیوں کے بعد ہوا تھا اس لئے اس کا لاڈ پیار بھی زیادہ تھا۔ تھا بھی بڑا پیارا۔ چار پانچ برس کا ہوا تو قرآن شریف پڑھنے قریب کی مسجد میں بٹھا دیا گیا۔ بڑا شراتی تھا۔ ضدی بھی تھا۔ ہٹ کا پکا۔ جس کام پر طبیعت مائل ہوتی اسے کر گزرتا۔ چھوٹا تھا تبھی کوٹھے سے چھلانگ لگاتا تھا۔ گاؤں کے بچوں کے ساتھ کشتی اور کبڈی کھیلتا تھا۔ گھوڑے کی سواری کا بھی شوق تھا۔ گاؤں میں جو بچیرے ہوتے ان پر سواری کیا کرتا تھا اس کی گھوڑ سواری کا ایک واقعہ مجھے اب بھی یاد ہے۔

حق نواز بمشکل دس گیارہ برس کا ہو گا کہ ایک بچیرے پر سواری کر رہا تھا۔ بچیرا ذرا بڑا اور تیز تھا سنبھال نہ سکا اور گر گیا۔ چوٹ لگی۔ پھراٹھا اور سوار ہو گیا۔ مھوڑی دور چلا ہو گا کہ



نٹ کھٹ گھوڑے نے دوبارہ گرا دیا۔ پھر چوٹ لگی۔ جو لوگ دیکھ رہے تھے انہوں نے کہا  
 لڑکے بس کرو بہت ہو چکی لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی اور تیسری بار پھر گرا، اس بار غامی چوٹ  
 لگی خون بھی نکل آیا۔ لیکن یہ کہاں پھوڑنے والا تھا پھر سوار ہو گیا اور اب کے گھوڑے کی باگیں اس  
 زور سے کھینچیں اور اسے آنا دوڑایا کہ گھوڑے کو پسینہ آ گیا۔ اسے کہنے لگا، بچو، اب جب  
 کر، اب مجھے گرا، اگر گرانے کی ہمت ہے۔ گھوڑا خاصا تھک چکا تھا لیکن اس نے اس کی  
 جان نہیں چھوڑی جب تک اپنا دل نہ پھر گیا۔

مونہ پنڈ میں حق نواز کیانی کے بچپن کے دو دوست مستری محمد صادق اور راجہ محمد نواز اب  
 بھی موجود ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ کیانی شہید کے بچپن کی خاص بات انہیں یاد ہو تو بتائیں  
 تو انہوں نے کہا۔

کیانی ہم سب کے ساتھ کبڑی اور گلی ڈنڈا وغیرہ کھلتے تھے۔ کبھی کبھار کشتی بھی ہو جاتی تھی۔  
 کیانی کو پرندوں کے شکار کا شوق تھا۔ غلیل لے میلوں ان کے پیچھے بھاگتے رہتے تھے۔ بچپن  
 پر سواری کا شوق تھا۔ گھوڑے سے گرتے بھی لیکن باز نہیں آتے تھے۔  
 کیانی غصے کے بڑے تیز تھے۔ کھیل میں کوئی لڑکا ذرا بھی بے ایمانی کرتا تو فوراً ہاتھ چھوڑ دیتے  
 تھے پھر خواہ کتنی ہی پٹائی ہو۔

حق نواز نے اور ہم نے قرآن شریف گاؤں کی مسجد میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ پھر ہم کالا گجراں  
 اسکول میں داخل ہو گئے۔

## ابتدائی تعلیم

حق نواز نے پانچویں درجے تک پرائمری اسکول کالا گجراں میں تعلیم حاصل کی کچھ دنوں کو ہاٹ  
 کے ایک اسکول میں بھی پڑھا وہاں سے پھٹی جماعت پاس کر کے تیرہ برس سات ہینے کی عمر میں  
 کنگ جارج رائل انڈین ملٹری اسکول جہلم سرے عالمگیر میں داخل ہوئے۔

## حق نواز ملٹری کالج جہلم میں

حق نواز ملٹری کالج میں ۱۰ اگست ۱۹۳۹ء کو ساتویں درجے میں داخل ہوئے۔ ۸۳۵ کالج نمبر ملا۔ اور ان کا ہاؤس برڈ وڈ ہاؤس (ایم۔ جی۔ ہاؤس) تھا۔ اگست ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۳ء تک تقریباً چار سال حق نواز کالج میں رہے۔ جب وہ کالج میں داخل ہوئے تو گنہگار تھے۔ اس سال کے داخل ہونے والے پچاس ساٹھ لڑکوں میں صرف ایک لیکن جب کالج چھوڑا تو اپنے گروپ کے سب سے زیادہ ممتاز کیڈٹ تھے۔ جب تک حق نواز کالج میں رہے کالج پر چھائے رہے۔ خصوصاً آخری دو سالوں میں جب وہ کالج بٹالین کے ایڈجوٹنٹ اور سینیئر کمانڈر تھے۔ ملٹری کالج میں حق نواز کے شب و روز اور کارناموں کی داستان ان کے جونیئر اور سینیئر دوستوں، ساتھیوں کی زبانی سینٹے۔

## ہم مکتب دوستوں کے تاثرات

کالج نمبر ۸۷۹۔ کیپٹن نواب خان ملک لکھتے ہیں:-

میں ۱۹۴۰ء میں کالج میں داخل ہوا تو مجھے رابٹس ہاؤس ملا اور سیکشن نمبر دو۔ ۳۵ حق نواز کیانی میرے سیکشن کمانڈر تھے۔ کیانی ڈسپلن کے بہت سخت تھے۔ ہمارے ہاؤس ماسٹر مسالدار عبدالوہاب تھے۔ ۱۳ لائسنسز کے وہ بھی اچھے آدمی تھے۔ ہمارے کمانڈر کیانی صاحب پر کمانڈر انٹ میجر اسٹینگ اور ان کی بیگم بہت مہربان تھے۔ اس کا ہمیں فائدہ بھی تھا نقصان بھی۔ فائدہ یہ کہ مسز میجر اسٹینگ کیانی کی سیکشن کو آئس کریم وغیرہ کھلانے اکثر بلاتی تھیں نقصان یہ کہ ہماری سیکشن کا انسپکشن زیادہ ہوتا تھا اور سخت ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کلاسز کے دوران ہی ہماری سیکشن کو کمانڈر انٹ کے دفتر کے سامنے فالین ہونے کا حکم مل جاتا۔ انسپکشن اچھی ہوتی تو انٹر ہاؤس فیلگ کے کچھ نمبر مل جاتے اگر انسپکشن میں کوئی کمی رہ جاتی تو سزا بھی ملتی تھی۔ حق نواز کا ایک بڑی خوبی ہمیں یاد ہے کہ وہ ہمیں چھٹی وغیرہ بھی دلادیا کرتے تھے اس زمانے میں تو

کو باہر جانے کی اجازت ملنا ایک نعمت تھی۔ حق نواز، درباب صاحب سے یا اسٹیننگ سے کہہ سن کر ہمیں باہر جانے کی اور دوسری کئی رعایتیں دلواتے تھے۔ ہاں یاد آیا حق نواز بڑے اچھے باکسر تھے۔ بعد کو جب وہ کالج کے ہیڈ بوائے بنے تو ان کا بڑا دبدبہ تھا۔ اصل میں حکومت ان ہی کی تھی۔

کالج میں حق نواز کیانی کے ایک اور جوئیڑ سے انٹرویو سینے۔

صوبیدار میجر شہزادہ عالم کا انٹرویو

سوال ۱۔ شہزادہ عالم صاحب۔ کرنل حق نواز کیانی کی کوئی یاد آپ کے ذہن میں محفوظ ہے؟

جواب ۱۔ میرا کالج نمبر ۱۲۳۸ ہے، حق نواز کیانی مجھ سے بہت سینئر تھے جب میں اگست ۱۹۴۳ء میں داخل ہوا تو وہ کالج کے ہیڈ بوائے تھے کالج میں صرف ایک سال میں نے انہیں دیکھا۔ وہ ذرا فاصلے سے پھر بھی ان کی دو چار باتیں میرے ذہن میں اب بھی تازہ ہیں۔

سوال ۱۔ مثلاً

جواب ۱۔ میرے ذہن میں ان کی پہلی تصویر سوئمنگ پول کی ہے۔ زندگی میں پہلی بار میں نے انہیں ہی بلندی سے پانی میں الٹی چھلانگیں لگاتے دیکھا۔

سوال ۱۔ الٹی چھلانگ سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب ۱۔ کالج کا سوئمنگ پول آپ نے دیکھا ہے پہلے وہ میڑھیوں سے اوپر بڑھتے تھے پھر ڈائیونگ بورڈ پر پیچھے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر قلابازی کھا کر

سیدھے نیچے پانی میں جاتے تھے میں چونکہ نیالڑا کا تھا مجھے یہ کرتب بڑا حیرت انگیز لگا حق نواز کو سوئمنگ ہی میں نہیں دوسرے تمام کھیلوں میں بھی کمال حاصل تھا۔



سوال ۱۔ کوئی اور تاثر؟

جواب ۱۔ میرے ذہن میں دوسری تصویر اس منظر کی ہے کہ کالج ہال میں سارا کالج جمع ہے۔ کمانڈر انٹ کرنل ایٹنگ بھی موجود ہیں کہ حق نواز ہیڈ بوائے کی وردی میں سامنے آکر مثالی سیلوٹ کا نمونہ پیش کرتے ہیں پھر سارا کالج ان کے سیلوٹ کی نقل کرتا ہے۔ یہ ایک طرح کی ڈرل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا سیلوٹ بہترین تھا اور کمانڈر انٹ کا حکم تھا کہ سب لڑکے ان کی طرح سیلوٹ کرنا سیکھیں۔

سوال ۱۔ اس کے علاوہ کوئی اور یاد؟

جواب ۱۔ ہاں یہ بھی یاد ہے کہ مغرب کی نماز کے باسے میں بڑے سخت تھے۔ نماز کے بعد تمام ہڈیوں کو فالان ان کر کے چیک کرتے تھے اگر ایک لڑکا بھی ادھر ادھر ہوتا تو کپتی کمانڈر سے جواب طلب کرتے۔ طبیعت میں تندہی تھی۔ چہرہ ایک دم سرخ ہو جاتا تھا۔ جب سزا دینے پر آتے تو سخت سزا دیتے۔ ان کا بڑا رعب تھا۔ اب حق نواز کیانی کے دو سینئروں کے تاثرات پیش کئے جاتے ہیں۔

نیفٹینٹ کرنل رشید احمد کیانی (ستارہ جرات) لکھتے ہیں:-

ہم نے کالج کے صدر دروازے کے اندر قدم ۱۹۳۸ء میں لگایا تھا۔ کیاں بھائی دو ایک سالوں ہی میں ایک خوبصورت اور خوب سیرت نوجوان بن کر ابھرے اور نکھرے اس وقت اس کا چہرہ خوبصورت اور رنگ سرخ و سپید۔ بدن چھریا اور بانکا چال و ڈھال خوبصورت طبیعت میں شوخی اور شرارتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ باذوق بے دھڑک اور ہر کام میں نڈر اور بے خوف ہر کام میں پیش پیش۔ تعلیم اور کھیل کود کے میدان میں بھی پیش پیش۔ بہترین دوست اور ہمدرد۔ با اصول اور وعدہ کا پکا، اصولوں پر قربانی دینے اور نقصان اٹھانے کے لئے ہمیشہ تیار۔ اپنی غلطی کو مان کر ہمیشہ سزا خوشی خوشی قبول کرنا لیکن جو کچھ کرنا ہوتا وہ بے دھڑک کر گزرتا۔ ان کی طبیعت کا شاید یہی لاابالی پن تھا کہ ان سے اکثر غیر معمولی چیزیں ہو جاتیں۔ کمانڈر انٹ

انہیں اکثر سزا دینے پر مجبور ہو جاتے اور باوجود حق نواز کا گارڈین ہونے کے کبھی بھی معاف نہ کرتے۔ یہ نوجوان بے پناہ خوبیوں کا حامل تھا۔ جنہیں ابا گر صرف ایک بہترین استاد ہی کر سکتا تھا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر کالج، ملک اور قوم کے نام کو چار چاند لگائے گا۔ میدان جنگ میں شہادت حاصل کرتے ہوئے زندہ جاوید ہو جائے گا۔

یہاں مجھے اپنے یہ شعر بے ساختہ دہرانے کو ہی چاہ رہا ہے کہ  
تساں گھرو شیر جواناں تو میں صدقے جاداں بسم اللہ  
ایم سی کالج تے استاد اں توں میں صلتے جاداں بسم اللہ  
سوہنے یاراں سنگیاں ساحتیاں توں میں صدقے جاداں بسم اللہ

حق نواز کیانی کالج کے پہلے ایڈجوٹنٹ بنا دیئے گئے وہ سخت طبیعت۔ سخت جان۔ ڈسپلن پسند ہونے کی حیثیت سے بہترین ایڈجوٹنٹ ثابت ہوئے اور سب سینئرز ۱۹۴۳ء میں کیشن کے لئے نوگانگ چلے گئے تو انہیں کالج بٹالین کمانڈر یعنی ہیڈ بوائے بنا دیا گیا جو کہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ جسے انہوں نے کالج میں رہتے ہوئے اور بعد کے کارہائے نمایاں سے ثابت کر دیا کہ وہ اس اعزاز کے قابل تھے۔ ہم دونوں کالج کی بانگ ٹیم میں اکٹھے کھیلے اور کئی مرتبہ کالج کے لئے جھنڈا اور ٹرافیاں جیت کر لائے۔ میں کالج کی بانگ ٹیم کا کالج چھوڑنے تک ٹیم کیپٹن رہا۔ کیانی اپنے وزن میں بانگ کے بہترین کھلاڑی تھے۔ جب ہم نے آل انڈیا بانگ چیلنج کپ ۱۹۴۳ء جہلم میں جیتا تو کیانی نے اپنے مد مقابل کو ناک آؤٹ کر کے اپنا مقابلہ جیتا۔ اس مقابلے میں یہ ریکارڈ ہے کہ ٹیم نے نوکی فائٹ میں چار ناک آؤٹ کے ساتھ جیت کر ریکارڈ قائم کر دیا جو شاید آج تک قائم ہے۔ وہ ہکی بھی فارورڈ کی حیثیت سے بہت عمدہ کھیلتے تھے۔ کیانی بھائی کا ریکارڈ ہر لحاظ سے نہایت ہی شاندار رہا۔ وہ پنجاب اور پاکستان کے گھروپت کی حیثیت سے بچے اور مرے۔

میرا کالج نمبر ۴۳، ہے میں کے۔ جی۔ آر۔ ایم اسکول جہلم میں ۱۹۳۸ء میں ساتویں درجے میں داخل ہوا تھا۔ جب ۱۹۴۲ء میں کالج کا ہیڈ بوائے تھا تو حق نواز میرے ایڈجوٹینٹ تھے۔ اگلے سال ۱۹۴۳ء کے ادراں میں کمیشن کی پری کیڈٹ تربیت کے لئے جب میں کچنر کالج نوگنگ بھیجا گیا تو حق نواز نے میری جگہ لی اور ۱۹۴۳ء میں وہ ہیڈ بوائے بنے جو اس زمانے میں کالج میں کسی لڑکے کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ کالج کی بٹالین کے سینئر کیڈٹ افسر کی حیثیت سے وہ تمام کیڈٹوں سے سیلوٹ لینے کا مجاز تھا۔ اندازہ کیجئے ہیڈ بوائے کالج کے چار ساڑھے چار سو لڑکوں کا کمانڈر ہوتا تھا اور اسٹاف کے بعد اس کی سب سے زیادہ عزت کی جاتی تھی۔ ۱۹۴۲ء سے کالج میں پبلک اسکول طرز کے عہدے تھے جوئیئر پریفیکٹ سینئر پریفیکٹ۔ ہاؤس پریفیکٹ وغیرہ تھے۔

۱۹۴۲ء میں جنگ عظیم زوروں پر تھی اس کی وجہ سے یا کسی اور مصاحت سے کمانڈنٹ کرنل اسٹینگ نے کالج کو ایک انفنٹری بٹالین کے نمونے پر نئے سرے سے منظم کیا۔ ہر ایک ہاؤس کی ایک کمپنی اس کا ہیڈ بوائے کمپنی کمانڈر کہلاتا تھا اور ایک کمپنی میں دو پلٹونیں ان کے دو دو پلٹون کمانڈران کے ماتحت تین کارپورل یا سیکشن کمانڈر ہوتے۔ کالج کی چارہ (بعد کو پانچ) کمپنیوں پر ایک بٹالین کمانڈر تھا۔ (جوئیئر کیڈٹ آفیسر کہلاتا تھا) ۱۹۴۲ء میں جب میں کالج کی بٹالین کا پہلا سسی او بناتا تو بٹالین کی طرز پر میرا ایک سیکنڈان کمانڈ بھی مقرر ہوا۔ (۵۲) کرنل رشید احمد اور ۸۳ حق نواز کو میرا ایڈجوٹینٹ بنایا گیا۔ اس زمانے میں سب سینئر کیڈٹس اپنے جونیئرز سے سیلوٹ لیتے تھے۔

کالج بٹالین کے ایڈجوٹینٹ کی حیثیت سے حق نواز صرن کامیاب ہی نہیں بہت کامیاب تھے۔ بے حد سمارٹ، بے حد چست اور چاق و چوبند۔ ایک بہترین بٹالین کے بہترین ایڈجوٹینٹ میں جو صفات ہونی چاہئیں وہ ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ حق نواز کیانی اس زمانے کے ابھرتے ہوئے لڑکوں میں سے تھے۔ بہترین، باکسر، جمناسٹ اور تیراک۔ چونکہ کمانڈنٹ



کرنل ایشینگ ان کے خصوصی سرپرست تھے۔ اس لئے ان کی پرداخت پر انہوں نے خصوصی توجہ کی۔ حق نواز ۱۹۴۳ء میں ہیڈ بولے بنے اور اس حیثیت سے بھی بہت کامیاب ہے۔ جس طرح ۱۹۴۳ء کے لئے بہترین کیڈٹ ہونے کا میڈل (گارڈنزمیڈل) مجھے ملا تھا۔ ۱۹۴۳ء کے لئے یہ اعزاز کیانی کے حصے میں آیا۔ گارڈنزمیڈل کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے چونکہ اب میڈل ختم کر دیا گیا ہے تاریخی حوالے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ کیا تھا اور کیسے دیا جاتا تھا۔ یہ میڈل کالج کے سب سے سینئر کلاس کے لڑکوں میں سے سب سے اچھے آل راؤنڈ کیڈٹ کو دیا جاتا تھا۔ اور اس کے لئے انتخاب ہوتا تھا۔ سب لڑکے اپنا ووٹ دے کر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ اسٹاف کے ورٹوں کا وزن کچھ زیادہ ہوتا تھا۔ گارڈنزمیڈل کے لئے ایکشن کے وقت کالج میں بڑا جوش پایا جاتا تھا۔ بڑے دھوم دھام سے ڈانگ ہوتی تھی۔ اصل میں یہ بھی تربیت کا ایک ذریعہ تھا۔ اس وقت تو نہیں اب مجھے اس کی قدر و قیمت کا زیادہ احساس ہو رہا ہے اس طرح کے مقابلوں سے اچھے لڑکوں کو بڑی شہرت ملتی ہے۔ ۴۴-۱۹۴۳ء کے لئے حق نواز کو جو گارڈنزمیڈل دیا گیا وہ بالکل برحق تھا۔ کیانی نے دوبار تارہ جرات لے کر ثابت کر دیا کہ وہ ہر طرح اس اعزاز کے مستحق تھے۔ حق نواز میں وہ چیز تھی جسے جرات رندانہ کہتے ہیں۔ یہی چیز امن کے زلزلے میں ان کے لئے بعض مشکلات کا سبب بنی تھی۔ لیکن اسی نے انہیں تارہ جرات دلویا اور شہادت سے ہمکنار کیا۔ حق نواز کی یاد میں کالج میں بھی کوئی مستقل یادگاری کام ہونا چاہیے حق نواز کی اسپرٹ کو زندہ رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔

میجر جنرل (ریٹائرڈ) ممتاز علی تارہ جرات (دوبار) اور کرنل حسن نواز کیانی تارہ جرات  
(دوبار) کالج میں ایک ساتھ داخل ہوئے تھے۔ دونوں کا کالج میں کئی سال ساتھ رہا۔ بعد کو بھی ملتے رہے۔ اس تعلق کی بنا پر ہم نے جنرل ممتاز علی کو سکھا کہ وہ اپنے ساتھی حق نواز کیانی کے بارے میں اپنے تاثرات سے ہمیں نوازیں تو ان کا یہ جواب آیا۔

حق نواز میرے ہمعصر تھے اور کالج کے انتہائی ہونہار اور ممتاز طلبہ میں سے تھے۔ کالج کے ہیڈ بوائے بھی رہے۔ کمانڈنٹ کرنل اسٹیننگ کی ان پر خصوصی توجہ تھی جس کی وجہ سے ہم کیدٹس ہی سمجھے تھے کہ کرنل اسٹیننگ نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ کرنل صاحب بالکل اپنے بیٹے کی طرح ان کی تربیت کرتے تھے۔ لیکن ان کی کوئی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اگر حق نواز بھی کوئی غلطی کرتے تو ان کو بھی سخت سزا دیتے تھے۔ اسٹیننگ نے حق نواز کو بیٹا کیوں بنایا تھا اس کا راز بعد کو کھلا۔ اصل میں اسٹیننگ نے انہیں بیٹا نہیں بنایا تھا۔ سرکارِ برطانیہ نے بنایا تھا۔ ان کے والد صوبیدار الودتہ کسی سرحدی مشن میں کام آئے تھے۔ ان کے کمانڈنگ افسر نے یہاں کالج کو نکھا کہ صوبیدار الودتہ کے بیٹے کی ہر طرح دیکھ بھال کی جائے۔ چنانچہ اسٹیننگ نے ان کی خصوصی دیکھ بھال کی۔ گویا اسٹیننگ کی نظرِ کرم انفرادی نہیں قومی تھی۔ وہ ایک قومی فریضہ ادا کر رہا تھا۔ انگریزوں کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ اپنے محسنوں کو نہیں بھولتے اسٹیننگ کی میں تعریف کروں گا کہ انہوں نے ہماری بہترین تربیت کی۔ کالج کے لڑکوں کے لئے وہ اور ان کی مسز دیوانہ واردن رات لگے رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے انگریز کی قابلیت اور صلاحیت کا لوہا ہم سے منوالیا اور تاجِ برطانیہ کو بہترین افسر دیئے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد کو حالات نے ایسا رخ بدلا کہ ہی افسرِ پاکستان کے استقلال اور استحکام کا ذریعہ بنے۔ کشمیر آپریشن میں اور بعد کے معرکوں میں ایم۔ سی اولڈ بوائز نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ حق نواز بحیثیت طالب علم کے زیادہ نمایاں نہیں تھے ان کا اصل میدان کھیل اور لیڈر شپ تھا۔ بڑے ذہین، تیز طرار اور جارحانہ مزاج کے تھے۔ تند و تیزی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ بڑے وجہ اور شکیل تھے اور خوش لباس بھی۔ وہ کئی اعتبار سے کالج کے اسمارٹ ترین کیدٹس میں سے تھے۔ جب کالج کے ہیڈ بوائے ہوئے تو ان کے رعب اور طنطنے کا انداز دیکھنے کے قابل تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کمانڈ ان ہی کی ہے۔

حق نواز کے یارِ غار اور زندگی بھر کے دوست میجر محمد سرور خان لکھتے ہیں:-

حق نواز کیانی کاٹلج میں ۱۹۳۹ء میں داخل ہوئے تھے گویا مجھ سے ایک سال بعد لیکن ہم دونوں کی ایک کلاس تھی۔ ہاؤس بھی ایک، اس لئے جلد بے تکلفی ہو گئی گہری دوستی کی ایک اور وجہ بھی تھی کہ ہم دونوں جہلم کے قریب کے دو ہمسایہ گاؤں کے تھے اور ہمارے بزرگوں کے بھی آپس میں تعلقات اور مراسم تھے۔

کاٹلج کے زمانے میں حق نواز بے حد شوخ اور شرارتی تھے بلکہ شرارتی لڑکوں کے سرغنہ تھے۔ ایک پھیر جو شروع ہی سے نمایاں تھی وہ ان کی غیر معمولی جسمانی چستی اور توانائی اور طبیعت کی بے چینی اور تندہی تھی۔ ان میں ایک طرح سے پارہ کی سی صفت تھی۔ کبھی نچلے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ کچھ نہ کچھ کرتے تھے۔ اپنی غیر معمولی جسمانی پھرتی اور قوت کی وجہ سے وہ تمام آؤٹ ڈور مشاغل میں اگر سب سے اچھے نہیں تو کاٹلج کے دس بہترین لڑکوں میں سے ضرور تھے۔ بہت اچھے تیراک تھے۔ بالی کھیلنے میں بھی مہارت تھی۔ باکنگ میں بھی امتیاز رکھتے تھے۔ باکنگ رنگ میں ان کی چلت پھرت اور پھرتی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ پی۔ ٹی میں بھی کیانی خوب پھلکے تھے۔ ان دنوں پی۔ ٹی کے ساتھ جمناسٹک کی خاصی پیچیدہ مشقیں کرنی پڑتی تھیں۔ کیانی جمناسٹک میں طاق تھے۔ اکہرا بدن تھا۔ سبلی کی طرح کودتے پھاندتے تھے۔ پلیٹ اور جمناسٹک میں کمال کی وجہ سے ان کا بک نیم چائنا بوائے تھا۔ کچھ شکل میں بھی شاپرت نکلتی تھی۔ رخسار کی ہڈیاں قدرے ابھری ہوئی ناک چھوٹی اور کم اونچی، چہرہ ذرا گول سا اور رنگ ہلکی سی پلاہٹ لے ہوئی۔

کیانی کو کاٹلج کے مختلف مدارج کے عہدے اپنی صلاحیتوں اور کارکردگی کی وجہ سے جلد جلد ملے۔ ۱۹۴۰ء میں وہ رابوٹس ہاؤس کی نمبر دو سیکشن کے جونیئر پرفیکٹ یا کارپورل تھے اور پھر مختلف مدارج سے گزرتے ہوئے وہ ۱۹۴۳ء میں کاٹلج کے ہیڈ بوائے بنے جو کسی کپٹن



کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ ۱۹۴۴ء میں کالج کے آل راؤنڈ بہترین کیڈٹ کا تمغہ گارڈنز میڈل دیا گیا۔

حق نواز کیانی کا یا اس دور کے کسی لڑکے کا تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس وقت کے کمانڈانٹ ایفینٹ کرئل سٹیننگ کا تذکرہ نہ کیا جائے ان کے محرکات خواہ کچھ بھی ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ سینئر لڑکوں کو آفیسر معیار پر لانے کے لئے بہت زیادہ کاوش کرتے تھے۔ جو لڑکے پی اے اسپیشل کر لیتے تھے وہ ان کے لئے خصوصی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتے تھے اور اکثر خود پڑھاتے تھے ان کا معیار بہت سخت تھا اور ذرا کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ حق نواز کیانی پر وہ بہت توجہ دیتے تھے اور بہت خیال کرتے تھے بلکہ بعض لوگ تو اس زمانے میں دبی دبی زبان سے یہ بھی کہتے تھے کہ کمانڈانٹ نے کیانی کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔ اس میں کچھ حقیقت بھی تھی۔ اسٹیننگ کیانی کا خیال باپ کی طرح رکھتے تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ انہوں نے کیانی کو بیٹا بنایا ہوا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب جنوری ۱۹۴۰ء میں حق نواز کے والد صوبہ دار اللہ دتہ کو ہاٹ کے قریب قبائلیوں سے جنگ کرتے ہوئے کام آئے تو راجپوتانہ رائفلز کے ایک سینئر افسر نے کمانڈانٹ کو خط لکھا کہ صوبہ دار اللہ دتہ کے لڑکے کی سرپرستی کی جائے اور اس کی تعلیم کی دیکھ بھال کی جائے۔ اس وجہ سے اسٹیننگ ادران کی بگیم حق نواز پر خاص طور پر سے مہربان تھے۔

۱۹۴۴ء کے شروع میں کمانڈانٹ میجر اسٹیننگ نے بہت کوشش کر کے جی ایچ کیو سے اپنے چٹے ہوئے لڑکوں کو سر و سر سلیکشن بورڈ کے سامنے براہ راست بھیجنے کی اجازت لی۔ اس سے پہلے بھی ہر سال کچھ لڑکے کمیشن کے لئے منتخب کئے جاتے تھے لیکن وہ پہلے کچنر کالج نونانگ بھیجے جاتے تھے وہاں سے انہیں انتخابی بورڈ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ بہر حال ۱۹۴۴ء میں جو گروپ براہ راست انتخاب کے لئے بھیجا گیا اس میں چھ لڑکے شامل تھے حق نواز کیانی، محمد اسلم، غلام محمد، اجیت اور محمد سرور، چھ لڑکے کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ بہر حال سب



کے سب کامیاب ہوئے یہ تجربہ بھی کامیاب رہا۔ ان پر کمانڈر انٹ نے بہت محنت کی تھی۔  
اس لئے اس کا کریڈٹ انہی کو دینا چاہیے۔

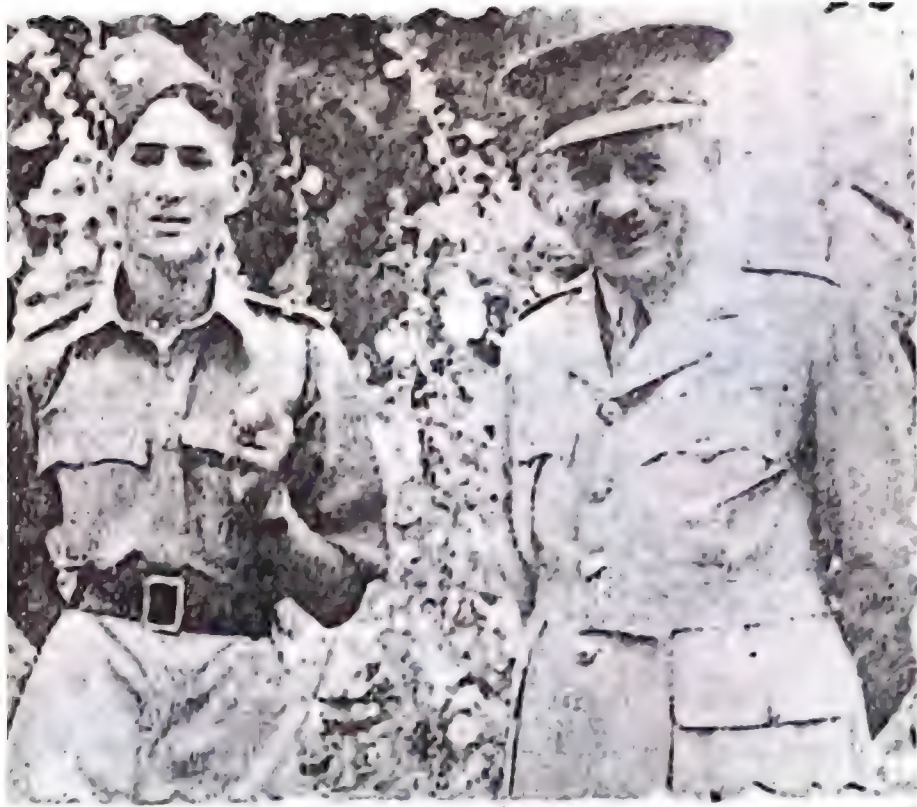
ہم نے سنا تھا کہ میجر جنرل غلام محمد، حق نواز کیانی شہید کے خاص ساتھیوں میں سے  
ہیں۔ حق نواز کے بعد کالج کے ہیڈ بوائے بھی یہی بنے تھے۔ چنانچہ ہم نے انہیں بھی انٹرویو  
کی زحمت دی۔ ان سے گفتگو ہوئی۔

سوال :- پہلے تو وہ عام سوال کہ آپ حق نواز کیانی کو کب سے اور کیسے جانتے  
ہیں؟ ذرا عمر رفتہ کو آواز دیجئے۔

جواب :- میرا کالج نمبر ۸۸۵ ہے۔ جب ۴ اگست ۱۹۴۰ء کو میں کالج میں داخلے  
کے لئے آیا تو تانگے سے اترتے ہی کالج کے جس رٹ کے پر میری نظر پڑی وہ حق نواز کیانی  
تھے بے حد سمارٹ، بے داغ وردی اور پُر اعتماد، مجھ پر بہت رعب پڑا، میں نے دل میں  
کہا اگر کالج کا اسٹینڈرڈ یہ ہے تو کیا بات ہے۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ بحیثیت کارپول کے  
وہ نوواردوں کے استقبال پر مامور تھے اور کالج سنٹرل ہال (جواب لائبریری ہے) کالج  
میں نئے داخل ہونے والوں کے جمع ہونے کی جگہ تھی، حق نواز کیانی مجھے وہاں لے گئے۔  
سوال :- داخلے کے دن نئے رٹ کے کن مرحلوں سے گزرتے تھے ذرا اس کی تفصیل  
بھی بیان فرمائیے۔

جواب :- کالج کے سینٹرل ہال میں جمع ہو جانے کے بعد تمام رٹ کے اپنے والد یا  
کسی بڑے رشتہ دار کے ساتھ باری باری کمانڈر انٹ سے ملاقات کے لئے ان کے دفتر  
جاتے تھے۔ مقصد اس انٹرویو کا یہ تھا کہ کمانڈر انٹ میجر اسٹینگ رٹ کے اور اس کے والد  
سے براہ راست واقفیت حاصل کر لیں

سوال :- کرنل اسٹینگ کے بارے میں کچھ بتائیے۔ ان کا طریق کار کیا تھا؟  
جواب :- وہ اسپارٹا کے روایتی سخت ڈسپلن کے قائل تھے خود بھی سخت



کوش تھے اور جفاکش۔  
سخت کوشی کو بہت اہمیت  
دیتے تھے خود ان کا اپنا  
ڈسپلن بھی معیاری تھا۔ ہر  
معاملے میں پہلے وہ خود بھر  
کوئی دوسرا ہوتا تھا۔  
کالج کی بات بات

گوشہ گوشہ ان کی گرفت میں تھا۔ مشہور تھا کہ اسٹیننگ کی اجازت یا کم از کم ان کے علم  
کے بغیر کالج میں پتہ بھی نہیں ہل سکتا اور واقعی نہیں ہتا تھا وہ کسی جگہ کسی وقت پر  
آ موجود ہوتے تھے۔ اس لئے سارا کالج ڈرتا رہتا تھا کہ اگر کسی کام میں سستی کی یا  
غلط کام کیا تو خیر نہیں۔

کرنل اسٹیننگ ہر لڑکے اور اس کے خاندان کو جانتے تھے اور ہر لڑکے پر نظر  
رکھتے تھے اور اس کی صلاحیت کے مطابق اس کی تربیت کرتے تھے۔ ان کی تربیت  
کے چند بنیادی اصول سخت کوشی، دیانت داری اور جرأت اس معاملے میں وہ کسی رعایت  
کے قائل نہیں تھے۔ وہ خود اعلیٰ درجے کے قائد تھے اور انتھک، انہیں ایک ہی  
دھن تھی کہ لڑکوں کو اعلیٰ فوجی بنایا جائے۔ کبھی کبھی ان کی سختی ضرورت سے زیادہ بھی  
ہوتی تھی۔ جیسے رات کو مچھردانی سے ہاتھ بھی باہر نکل آیا یا منہ ڈھک کر سو گئے  
تو سخت سزا ملتی لیکن ان کے خلوص میں بھی کلام نہیں تھا۔

سوال :- کچھ اسکول کے طریق کار کے بارے میں بھی بتائیے۔

جواب :- تعلیم و تربیت کا اہتمام جی سی او ز اور والدین سٹرکٹر کرتے تھے۔

چند انگریز سارجنٹ انگریزی پڑھانے پر مقرر تھے۔ اس وقت چار ہاؤس تھے۔ ہاؤس کا



انتظام تو جونیئر پرفیکٹ چلاتے تھے چونکہ تمام لڑکوں کو اسٹیننگ خود جانتے تھے اس لئے وہ ہونہار لڑکوں کو چھانٹ کر انہیں کمیشن کے لئے خصوصی تربیت دیتے تھے۔  
عہدیداروں کو بہت سی مراعات حاصل تھیں۔

سوال :- مثلاً

جواب :- مثلاً یہ کہ وہ جونیئر لڑکوں کو سزا دے سکتے تھے اور جب کالج کو غالباً ۴۳-۱۹۴۲ء میں ایک بٹالین کے انداز پر منظم کیا گیا تو پلاٹون کمانڈر اور کمپنی کمانڈرز سینئر پرفیکٹس کو کیڈٹ آفیسرز میں رہنے کی آسانی دی گئی مزید برآں انہیں جونیئر لڑکوں سے سیلوٹ لینے کا حق بھی دیا گیا تھا لیکن ان کی ذمہ داری بھی کم نہیں ہر وقت سختی آتی رہتی تھی۔

سوال :- کیوں؟

جواب :- کسی قصور پر جہاں قصور وار جونیئر کو سزا ملتی تھی وہاں اس کے سینئرز سے بھی باز پرس ہوتی تھی اور اکثر ان کی کھنچائی بھی ہوتی تھی۔  
ہاؤسوں کے درمیان مقابلے بھی ہوتے رہتے تھے۔

سوال :- کس قسم کے؟

جواب :- پی ٹی ڈرل، باکسنگ اور شوٹنگ کے مقابلے عام ہوتے تھے۔  
باکسنگ کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ اسکول کی باکسنگ ٹیم آل انڈیا بوائز باکسنگ کے مقابلوں میں حصہ لیتی تھی یہ مقابلے دہلی میں ہوتے تھے۔ اجمیر، جالندھر کے جی اسکولوں سے بھی اسپورٹس کے مقابلے ہوتے تھے۔

سوال :- شکریہ۔ آپ اب حق نواز کے کارناموں پر کچھ روشنی ڈالئے۔  
جواب :- کالج میں داخلہ کے بعد خوش قسمتی سے مجھے حق نواز کیانی کی سیکشن ملی تھی۔

سوال ۱۔ کہاں اور کونسی سیکشن؟

جواب ۱۔ رابرٹس ہاؤس اب دشر شاہ ہاؤس کی پہلی سیکشن رجواب کیانی

ڈارم ہے)

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حق نواز ہی کو اسٹر ماسٹر سٹور سے میری کٹ اٹھوا کر اپنی سیکشن میں لائے تھے میں تو بالکل نیا تھا کسی بات کا کچھ پتہ نہ تھا۔ کیانی نے اپنے ہاتھوں سے میرے کپڑے تہہ کٹے اور انہیں لا کر میں منظور شدہ ترتیب کے مطابق رکھ کر دکھایا۔ اس زمانے میں وردی پہننا اور کلاہ پر پگڑی باندھنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ میرے لئے یہ مشکل بھی حق نواز نے آسان کی لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ تھا۔ جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا یہ شخص تو غصے کا بھی کم تیز نہیں اور بہت تند مزاج ہے۔ حق نواز بہت ذہین تھے پڑھائی میں کسی سے کم نہیں تھے لیکن ان کا اصل میدان کھیل کا میدان تھا۔ کھیلوں میں وہ بہت جان لڑاتے تھے اس لئے اکثر چھوٹی ٹیموں میں کھاتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان ایسی ہمت حوصلہ کا انسان میں نے نہیں دیکھا۔

سوال ۱۔ مثلاً

جواب ۱۔ سچ بولنے سے انہیں ہچکچانا نہیں آتا تھا چاہے ایسا کرنے کی کتنی

سخت سزا ملے۔ غیرت اور خود داری ان میں انتہا درجے کی تھی۔

وہ منظر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ڈرل کرتے وقت ہمارے جمعہ دار

ایجوٹینٹ نے سب کے سامنے حق نواز کے ایک ہلکا سا بید مارا تو حق نواز نے وہ بید

پکڑ کر توڑ دیا۔ مزاج کی اسی تیزی کا نتیجہ تھا کہ وہ کالج دو ایک دفعہ بھاگے بھی جب

واپس لائے گئے اور جو سخت سزا ملی وہ بھی انہوں نے ثابت قدمی سے برداشت کی غلطی

کر کے گڑگڑانا یا سزا کے خوف سے جھوٹ بولنا حق نواز کی سرشت میں نہیں تھا۔

سیکشن کمانڈر بننے کے بعد کرنل اسٹینگ نے انہیں اپنے گھر جانے کی اجازت





حق نواز کیانی ملٹری کالج جہلم میں ہیڈ بوائے کی حیثیت سے





دسے دی تھی۔ ایک دو سال بعد ان کا کمانڈر انٹ کے بنگلے پر اچھا خاصا آنا جانا ہو گیا عام طور پر یہی مشہور تھا کہ حق نواز کے والد کی وفات کے بعد کرنل اسٹینگ نے انہیں بیٹا بنا لیا ہے۔ کالج میں جب کوئی نیا لباس شروع کیا جاتا تو حق نواز کو ماڈل بنایا جاتا تھا سب سے پہلے وہی لباس پہنتے یا ٹوپی یا جو چیز بھی ہوتی۔ جیسا کہ میں ادھر کہہ چکا ہوں کہ کالج میں ان دنوں باکسنگ پر بڑا زور تھا حق نواز کالج کی باکسنگ ٹیم کے کیپٹن تھے۔ کالج کے ہیڈ بوائے کی حیثیت سے حق نواز نے ایک نہیں کئی اہم پریڈوں کی قیادت کی اور انڈین آرمی کے کمانڈر انچیف تک سے اپنی ہارت کی داد لی۔ اس قسم کی رسمی پریڈیں بڑی پیچیدہ ہوتی ہیں ایک خاص ترتیب سے خاص خاص الفاظ دہرانے ہوتے ہیں جن کو یاد رکھنا آسان نہیں ہوتا لیکن حق نواز ایسے نازک موقعوں پر قطعاً نہیں گھبراتے تھے اور بڑے اعتماد سے ساری کارروائی انجام تک پہنچاتے تھے۔

۱۹۴۴ء کے اوائل میں حق نواز کمیشن کے لئے اور۔ ٹی۔ ایس مہو چلے گئے انہوں نے آرمی اسپیشل پاس کیا تھا لیکن کمیشن کے لئے کرنل اسٹینگ نے ان کی خصوصی تربیت کی تھی جو رائیگاں نہیں گئی۔ حق نواز کے بعد کالج کے ہیڈ بوائے ہونے کا اعزاز میرے حصے میں آیا تھا۔

## کیانی کی طالب علمانہ زندگی کا نقطہ عروج

اب ہم حق نواز کیانی کے ایک استاد مستر فضل حق حیدری کا انٹرویو نقل کرتے ہیں حیدری صاحب ملٹری کالج کے معماروں اور محسنوں میں سے ہیں۔ ملٹری کالج کو آب و رنگ دینے میں حیدری صاحب کا بڑا حصہ ہے۔ کیانی شہید کے بارے میں ان سے ہماری یہ گفتگو ہوئی۔

سوال ۱۔ حیدری صاحب آپ کالج میں کب آئے تھے؟

جواب ۱۔ ۱۹۴۲ء میں۔

سوال ۱۔ اور کب تک اس ادارہ کو سیراب کیا؟ بلکہ فیض یاب کیا؟

جواب ۱۔ سیراب، فیض یاب کرنا تو بڑی بات ہے بہر حال جو کچھ بن پڑا کیا۔

سوال ۱۔ کب تک؟

جواب ۱۔ ایک سال کے وقفہ سے ۱۹۷۷ء تک۔

سوال ۱۔ حیدری صاحب کالج میں حق نواز کے بارے میں آپ کا اولین تاثر کیا ہے؟

جواب ۱۔ جب میں آیا ہوں تو کالج نمبر ۷۴۲، محمد اقبال ہیڈ بوائے اور کالج نمبر ۸۳۵

حق نواز ایجوٹمنٹ تھے۔ کمانڈنٹ میجر ٹینگ نے کالج کو ایک بٹالین کے طور پر بنانا

منظم کیا تھا۔ حق نواز اس زمانے کے سمارٹ ترین طلباء میں تھے اور اپنی زوردار پیکش

شخصیت سے کالج پر چھائے ہوئے تھے۔ لیکن حق نواز کے اصل جوہر اگلے سال ۱۹۴۳ء

میں کھلے جب انہوں نے کالج کے سینئر کیڈٹ افسر یا کالج ہیڈ بوائے کا عہدہ سنبھالا

سوال ۱۔ حیدری صاحب اس زمانے کا کوئی ایسا اہم واقعہ آپ کے ذہن میں ہے جس

سے حق نواز کیانی کی شخصیت کے کسی پہلو پر خصوصی روشنی پڑتی ہو۔

جواب ۱۔ ایک ایسا واقعہ ایسا ہے جب حق نواز نے کالج کی کمان سنبھالی اور پورے ایک

دن ریلوے لے کر ریٹریٹ تک کالج کو چلایا۔

سوال ۱۔ براہ کرم اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے بیان فرمائیے؟

جواب ۱۔ جنگی ضرورت سے یا اصولاً کمانڈنٹ میجر (بعد کو کرنل) اسٹینگ

(STEBBING) نے سینئر کیڈٹس کو خاصی ذمہ داریاں سونپ رکھی تھی۔

سوال ۱۔ صرف ذمہ داریاں؟

جواب ۱۔ نہیں ذمہ داریوں کے ساتھ ان کے اختیارات بھی تھے لیکن ذمہ داریاں

اور اختیارات بے وجہ اور بے مقصد نہ تھے یوں کہنے کہ خالص پبلک اسکول روایت کے ساتھ اعلیٰ فوجی ٹریننگ کو یک جا کر دیا گیا تھا۔ ان ذمہ دار یوں اور اختیارات کا مقصد سنیئر طلباء کی اس طرح تربیت کرنا تھا کہ ضرورت پڑے تو وہ فوری طور پر افسری کا منصب سنبھال سکیں۔ ٹریننگ کی پالیسی سے بعض اساتذہ کو اختلاف بھی تھا ان کا خیال تھا کہ کیڈٹس کو ضرورت سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں بہر حال ان کو مطمئن کرنے کے لئے یا محض تجربے کی خاطر ٹریننگ نے ایک انوکھا تجربہ کیا۔

سوال ۱۔ بس اسی انوکھے تجربے کی تفصیل چاہیئے؟

جواب ۱۔ بہاولپور کہ ایک شام ٹریننگ نے سارے اسٹاف کو دفتر میں بلایا اور کہا کل صبح ریلوے سے ری ٹریٹ تک آپ وہ کوئی کام نہ کریں جو بحیثیت اسٹاف کے آپ کرتے آئے ہیں بس یہ سمجھیں کہ جیسے آپ یہاں موجود ہی نہیں اور دیکھئے یہ بات راز رہے زبردست راز۔ اس کا کسی سے تذکرہ نہ کیجئے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر میں اپنی بیویوں تک سے نہیں اور آپس میں بھی اس موضوع پر کوئی گفتگو نہ کیجئے۔ یہ راز کل شام تک آپ پر راز خود کھل جائے گا۔ کرنل ٹریننگ نے آخر میں کہا کہ اس معاملے میں مجھے آپ سے تعاون کی

توقع ہے اور اس کی تعمیل میں میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔ یہ سن کر ہم سب لوگ باہر آ گئے۔ ایک دوسرے کی طرف حیرت سے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور چپ چاپ اپنے اپنے کوارٹروں کو چلے گئے۔ حکم عدولی کی صورت میں ایڈنگ کے جلال کا بھی ہمیں علم تھا۔ اس سیکٹے بغیر کچھ تبصرہ کئے ہم دوسرے دن کا انتظار کرنے لگے جب ہمیں بحیثیت انسٹرکٹرز کے اپنے تمام فرائض سے عارضی طور پر سبک دوش رہنا تھا۔ اتفاق سے دوسرے روز ڈیوٹی انسٹرکٹر میں ہی تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس زمانے میں ڈیوٹی انسٹرکٹر کی ڈیوٹی صبح سویرے دودھ کی جانچ پڑتال سے شروع ہوتی تھی لیکن



جب میں صبح سویرے وقت پر ملک روم (جو کبھی کنٹین اور رابرٹس ہاؤس کے درمیان واقع تھا) نہیں پہنچا۔ تو ڈیوٹی کیڈٹ این سی او بھاگ کر بڑوڈ ہاؤس میں میرے کوارٹر پر پہنچا اور دروازہ دھڑکا کر شروع کر دیا۔ جیسے قیامت آگئی ہو۔ میں باہر نکلا تو کہنے لگا۔

”سر! جلدی کیجئے۔ آج آپ کی ڈیوٹی ہے اور دس منٹ اوپر ہو گئے ہیں اور آپ پہنچے ہی نہیں۔“ میں نے بے رخی سے کہا:

”کون سی ڈیوٹی؟ میری کوئی ڈیوٹی نہیں جاؤ بھاگ جاؤ۔ مجھے آرام کرنے دو۔“ وہ کیڈٹ بہت چکرایا اور بولا۔ ”سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ڈیوٹی آپ ہی کی ہے اور ملک چیک کرنا ہے۔“

میں نے کہا: ”کہہ تو دیا۔ میری کوئی ڈیوٹی نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گا۔“ یہ کہہ کر میں نے دروازہ بند کر دیا اور ساند چلا گیا۔ ڈیوٹی کیڈٹ حیران و پریشان کچھ دیر دروازے پر کھڑا رہا پھر ہیڈ بوائے کیانی کے پاس گیا کہ سر تو یہ کہہ رہے ہیں۔ نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیانی میرے پاس آئے۔ پھر وہی مکالمہ ہوا جو میں بیان کر چکا ہوں۔ اس پر میں نے اتنا ضرور اضافہ کیا کہ تصور کرو کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ پھر جو مناسب ہو وہ کر دے۔ یہ سن کر کیانی اور ڈیوٹی کیڈٹ دوسرے نمبر پر ڈیوٹی انٹرکٹر کے پاس گئے۔

سوال ۱۔ وہ کون صاحب تھے؟

جواب ۱۔ بشارت حسین بخاری، جو میری طرح سولین انٹرکٹر تھے جو بعد کو نیوی میں چلے گئے تھے۔

سوال ۱۔ بخاری صاحب نے کیا کہا؟

جواب ۱۔ بخاری نے بھی کم و بیش وہی جواب دیا جو میں دے چکا تھا۔

سوال ۱۔ پھر کیا ہوا؟

جواب ۱۔ پھر دونوں چیف انٹرکٹر کے پاس گئے۔

سوال ۱۔ چیف انٹرکٹر کون تھا؟

جواب ۱۔ کیپٹن لیوٹس۔ انہوں نے وہی جواب دیا جو ہم دے چکے تھے۔ یہی ڈرامہ کمانڈنٹ کے جھگڑے پر بھی ہوا۔ جب کمانڈنٹ نے بھی کہا کہ آج مجھ سے کچھ نہ پوچھو تو کیانی سمجھ گئے آج میرا امتحان لیا جا رہا ہے اور اسٹاف کے اراکین جان بوجھ کر مجھے آزمائش میں ڈال رہے ہیں۔ آدمی تو ہوشیار تھا۔ اس نے فوراً اپنے کمپنی کمانڈروں کو بلا یا اور صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ آج کالج ہمیں چلانا ہے اور چیلنج کو قبول کرنا ہے سب نے ہپ ہپ ہرے کانفرہ لگایا۔ کام شروع کر دیا۔ کیانی نے ٹائم ٹیبل منگوا یا سینیئر لڑکوں میں کلاسیں تقسیم کیں۔ چیف انٹرکٹر۔ ایجوٹینٹ۔ کوارٹر ماسٹر۔ ٹریننگ آفیسر۔ ب عہدیدار لڑکوں میں سے مقرر کر دیئے گئے اور خود کیانی نے کمانڈنٹ کی کرسی سنبھالی۔

سوال ۱۔ اس کارروائی میں کچھ دیر تو لگی ہوگی؟

جواب ۱۔ صرف دودھ کی چینگ میں اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے کم و بیش آدھ گھنٹے کی دیر ہوئی۔ اس کے بعد کالج کا سارا کام روٹین کے مطابق چلتا رہا۔ صبح کی پانی کلاسیں کیلیں۔ حتیٰ کہ ”دوپہر آرام“ جو پنچ کے بعد ایک گھنٹے کے لئے لازمی ہوا کرتا تھا۔ اس میں آرام کم اور ایک دوسرے کو بے آرام کرنا زیادہ نمایاں ہوتا تھا۔ لیکن آج کا ”دوپہر آرام“ دیگر معمولات کی طرح صحیح معنوں میں خود اختیاری ڈسپن کا قابل تھیں نمونہ تھا۔ کچھ مسائل بھی پیدا ہوئے لیکن کیانی اور اس کے رفقاء کار نے انہیں سٹاف سے جو عکے بغیر خود ہی نہایت خوش اسلوبی سے حل کر لیا۔

سوال ۱۔ آپ لوگ گھروں میں رہے یا کالج آئے؟

جواب ۱۔ ٹینگ صاحب تو دن بھر کہیں نظر نہیں آئے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے جھگڑے

کے کسی گوشے سے یا بھین بھل کر جیسے کہ وہ اکثر کیا کرتے تھے، یہ سارا ڈرامہ بچشم خود دیکھ رہے ہوں گے۔ ہم لوگ سٹاف روم میں بیٹھے اخبار وغیرہ پڑھتے رہے یا کیڈٹ انٹرکٹر کو کلاسوں میں آتے جاتے دیکھتے رہے۔ زیادہ تر موضوع زیر بحث کمانڈنٹ میجر ٹینگ کا یہی تجربہ تھا۔

سوال ۱۔ پھر یہ تجربہ کیسا رہا؟

جواب ۱۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اس دن کے سب سے اہم واقعہ کے بارے میں کچھ بتانا چلوں۔

سوال ۲۔ وہ کیا؟

جواب ۱۔ وہ یہ ہے کہ چائے کے وقفے سے پہلے جہلم سے ایک بریگیڈیر کمانڈنٹ سے ملنے آئے۔ دفتر میں قدم رکھا تو دیکھا ایک سمارٹ سالٹر کا کہ سی پر بیٹھا ہے اور اپنے کیڈٹ ایجوٹینٹ کو کچھ احکامات دے رہا ہے۔ بہت حیران ہوئے کہ قصہ کیا ہے۔ کہنے لگے میں کمانڈنٹ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیانی نے بڑے اعتماد سے کہا میں حاضر ہوں۔ انہوں نے پھر کہا میرا مطلب میجر ٹینگ سے ہے۔ کیانی نے فوراً کہا۔ آج کمانڈنٹ تو میں ہی ہوں لیکن اگر آپ کو میجر ٹینگ سے ذاتی ملاقات کرنی ہے تو باہر جی ٹی روڈ پر ان کے بنگلے پر آپ ان سے مل سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر کیانی نے گھنٹی بجائی۔ گھنٹی بجتے ہی کمانڈنٹ کے دفتر کا اردلی تاج نمودار ہوا تو کیانی نے کہا صاحب کو میجر ٹینگ صاحب کے بنگلہ پر پہنچاؤ۔ چنانچہ بریگیڈیر صاحب اسی حیرانی کے عالم میں چلے گئے۔

سوال ۲۔ کیا بریگیڈیر صاحب کا آنا بھی ٹینگ کے اشارے پر تھا؟

جواب ۲۔ ہو سکتا ہے لیکن بریگیڈیر کو یقیناً اس صورت حال کا علم نہیں تھا ورنہ انہیں

اتنی حیرانی نہ ہوتی جو انہیں ہوئی۔

سوال ۱۔ اس روز دفتری کارروائی کس طرح ہوئی؟

جواب ۱۔ کالج کے ہیڈ کلرک نے جو اس زمانے میں پرنٹنگ ہاؤس کہلاتا تھا۔ فائل وغیرہ  
کیانی کو پیش کئے۔ کیانی نے ان پر ”کل پیش کرو“ کا فقرہ لکھ کر فائلوں کو واپس کر دیا

سوال ۱۔ اس صورت حال پر عام کیڈٹوں کا کیا رد عمل تھا؟

جواب ۱۔ ہر طرف جوش و خروش تھا۔ لڑکوں نے اپنے کیڈٹ انٹرکٹروں سے بڑا  
تعاون کیا اور خوب لطف اندوز بھی ہوئے۔

سوال ۱۔ اس ڈرامے کا انجام؟

جواب ۱۔ انجام بہت کامیاب رہا۔ ریٹریٹ کے فوراً بعد اصل کمانڈنٹ میجر ٹینگ  
کا سر کلر آگیا کہ سارے لڑکے اور سٹاف کالج ہال میں جمع ہوں۔ اسٹینگ جب  
ہال میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ وہ بریگیڈیئر بھی تھے۔

ٹینگ نے سب لڑکوں خاص طور پر کیڈٹ آفیسرز کی کارکردگی کی تعریف  
کی اور دل کھول کر تعریف کی۔ ہر ہر فقرے پر زور داتا یاں بجاتی تھیں۔ مجھے یاد  
ہے کہ ٹینگ کے بعد بریگیڈیئر صاحب نے بھی لڑکوں کو مبارکباد دی اور اپنی  
حیرت و سرت کا اظہار کیا اور کہا میرا بس چلے تو میں آج ہی سب کیڈٹ آفیسرز کو کمیشن دے دوں

سوال ۱۔ اس ڈرامے پر حق نواز کیانی کا رد عمل کیا تھا؟

جواب ۱۔ اس ڈرامے کا ہیرو تو کیانی ہی تھے یہ دن کیانی کی طالب علمانہ زندگی کا نقطہ عروج تھا۔

سوال ۱۔ حیدری صاحب۔ آخر میں ایک سوال اور۔

جواب ۱۔ وہ کیا؟

سوال ۱۔ وہ زمانہ سخت ترین ڈسپلن کا تھا اور ٹینگ کسی کی رعایت نہ کرتے تھے کیا  
کیانی ڈسپلن کی گرفت میں کبھی آئے؟



جواب:- کیانی کوئی فرشتہ تو نہیں تھے غلطیوں پر انہیں سزا بھی ملی۔ ایک بار تو شیٹنگ سے انہوں نے خاصے بید کھائے لیکن بید کھانے میں بھی کیانی کی اپنی شان تھی جس بے باکی سے غلطی کرتے تھے اسی حوصلے سے اس کی سزا لیتے تھے۔

برسبیل تذکرہ شاید آپ جانتے ہوں کہ کیانی کو کرنل شیٹنگ کے گھر کی چار دیواری میں وہی مقام حاصل تھا جو ایک بیٹے کا ہوتا ہے اور منسٹر شیٹنگ تو بڑے فخر اور پیار سے اس کا ذکر ”My son“ میرا بیٹا کہہ کر کیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں جب مجھے انگلستان میں کرنل اور منسٹر شیٹنگ کی مہمانداری سے محفوظ ہونے کا موقع ملا تو موضوع گفتگو بار بار کیانی کی کہانی رہا۔

کیانی پر کوئی اور ادارہ بھی فخر کر سکتا ہے۔ ایسے نڈر اور جانباز ہر روز پیدا نہیں ہوتے۔ حق مغفرت کرے عجب آزار مرد تھا

## حق نواز او۔ ٹی۔ ایس مہو میں

مہو میں حق نواز کیانی کے ساتھی میجر محمد سرور خان لکھتے ہیں:-

۱۔ او۔ ٹی۔ ایس یعنی آفیسر نرٹ شیٹنگ اسکول سینٹرل انڈیا مہو کے مقام پر واقع تھا۔ ہم اوائل ۱۹۴۴ء میں وہاں پہنچے۔ اسکول میں بھانت بھانت کے لوگ موجود تھے۔ جنگ کا زمانہ تھا کیڈٹس کا ہجوم تھا۔ ملٹری کالج جہلم سے گئے ہوئے ہم پانچ خاص طور سے کم عمر اور کم تعلیم تھے۔

میں اور کیانی ایک ہی کمرے میں تھے۔ او۔ ٹی۔ ایس پہنچ کر بھی کیانی کی شرارتیں وہی رہیں۔ آئے دن کسی نہ کسی سے کیانی الجھ بھی پڑتے تھے۔ کیشن کے طلب کاروں کو جتنا ڈر ڈر کے رہنا چاہیے اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔ کیانی کے وہی جارحانہ تیور تھے جو پہلے تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ آئے دن ہشتی ہوتی رہتی تھی اور کوئی نہ کوئی مقدمہ کھڑا ہو جاتا۔ وہ تو اللہ بھلا کرے ہمارے حد درجہ مہربان اور شفیق پلاٹون کمانڈر کیپٹن اے بی اعوان کا (اب لیفٹیننٹ

جبریل اے بی اعوان) کہ وہ ہمیشہ ہمارے آرٹے آجاتے تھے اور ہمیں مصیبتوں اور سخت  
نمادی کاروائیوں سے بچاتے رہتے تھے ورنہ ہمارا کورس کے درمیان پھنس کے رہ جانا  
کوئی مشکل نہ تھا۔ پھر کیشن کا خواب دہرا رہ جاتا۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ خدا ننخواستہ کیانی کا ڈسپن خراب تھا یا کوئی اخلاقی خرابی  
تھی۔ جو طوفان اٹھتا تھا وہ کیانی کی شخصیت و کردار کی وجہ سے اٹھتا تھا اور اکثر و بیشتر کیانی  
حق پر ہوتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ٹریننگ اسکول کے ضابطوں کے مطابق کیانی غلطی پر  
گردانے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک مثال دوں گا۔

کیانی ملٹری کالج میں بھی نماز پڑھتے تھے لیکن ہو میں انہوں نے رمضان کے روزے  
رکھنے میں غیر معمولی سرگرمی دکھائی۔ خود روزے رکھتے ہی تھے دوسرے مسلمان لڑکوں کو تلقین  
کرتے تھے کہ وہ بھی ضرور رکھیں۔ اب شامت اعمال ایک مسلمان بنگالی کیڈٹ جو مذہب  
سے نا بلند بلکہ باغی تھا۔ رمضان کے دنوں میں شام کو ہمارے کمرے میں آیا اس کے ہاتھ میں  
سلگا ہوا سگریٹ تھا۔ اور کھلے بندوں سگریٹ پی رہا تھا۔ کیانی نماز پڑھ رہے تھے جب سلام  
پھیرا تو یہ نظارہ دیکھا۔ ایک دم سرخ ہو گئے پھر بھی ضبط کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کا نام  
کیا ہے؟ پوچھنے کا لب و لہجہ طنزیہ تھا بد چوتکہ اس بنگالی کیڈٹ کا نام ایک مشہور مسلمان فاتح  
اور جرنیل کے نام پہ تھا جو صلیبی جنگوں کا ہیرو ہے، کیانی کا خیال تھا کہ شاید اتنے بڑے مسلمان  
جرنیل کا ہم نام ہونے کے ناطے اس کو کچھ شرم آئے گی۔ لیکن شرم ہو تو آئے وہ اسلامی  
قدروں اور روایتوں سے بیگانہ تھا۔ وہ بھی ان کے نام پوچھنے کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے  
بھی بڑے چبھتے ہوئے انداز میں اپنے نام کے ہر حرف پر زور دیتے ہوئے اسے دہرایا  
اور ساتھ ہی اسلام کے اس عظیم فرزند کی شان میں کچھ بدزبانی بھی کی۔ اب کیانی کو تاب کہاں،  
کہنے لگے، تجھے اس گستاخی کا ابھی مزہ چکھاتا ہوں۔ کچھ اور تو نہ ملا سنے ایک بل تھرو پڑا پٹیل یا

لوہے کا چھسات انچ کا اوزار) اسے اٹھایا اور اس گتاسخ پر جھپٹے وہ ڈر کے بھاگا اب عجیب تماشا ہوا تمام بیک میں وہ بد زبان آگے آگے اور کیانی پیچھے پیچھے چونکہ اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ اس لئے بھاگا بھی اتنا تیز کہ زندگی بھر نہ بھاگا ہوگا میں بھی بھاگ رہا تھا کہ کیانی کو روکوں کہ وہ کہیں اسے ضرورت سے زیادہ مزہ نہ چکھا دیں۔ کیانی اسلام کے بارے میں کوئی نازیبا بات برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ آخر کار وہ بدتمیز بد حال ہو کر تپھر کی طرح دھڑام سے ہمارے کمپنی سارجنٹ میجر جنسن کے سامنے گر پڑا۔ اس کا بھی ایک مقدمہ ہوا۔ قصہ مختصر اور ٹی۔ این مہو میں بھی کیانی کا آڈٹ ڈور ریکارڈ بہت بہتر تھا اور انہوں نے اپنی انفرادیت برقرار رکھی تھی۔

## کمیشن اور اس کے بعد کی باتیں

۱۰۔ اور ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء کی درمیانی شب کو نصف شب کے کچھ دیر بعد ہمارے کریم اور شفیق کیپٹن اے بی اعوان نے ہمارے کندھوں پر سیکنڈ لفٹینی کا ایک ایک پپ (پھول) سجا دیا، ہم نے خلوص دل سے بے حد اسمارٹ سلوٹ مارا۔ اور اسی وقت ان کو خدا حافظ کہہ کر اپنے پیارے گاؤں ملوٹ روانہ ہو گئے ہم بے چین تھے کہ وردی میں گاؤں جاؤں اور دکھائیں کہ ہم نے کیا تیر مارا ہے۔

حق نواز کیانی کو اپنے والد کی رجمنٹ راجپوتانہ رائفلز میں کمیشن ملا تھا۔ چنانچہ وہ ۲/۶ راجپوتانہ پلٹن میں چلے گئے اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر فرائض منصبی انجام دیے پاکستان بننے کے بعد وہ بلوچ رجمنٹ سے منسلک ہو گئے۔

شادی ۱۹۴۸ء کے اوائل میں حق نواز کی شادی ہوئی اس زمانے میں کشمیر میں لڑائی شروع تھی۔ شادی کے تیسرے دن انہیں کشمیر جانے کا حکم ملا۔

## ۱۹۴۸ء کے کشمیر آپریشن میں حق نواز کا حصہ

لیفٹیننٹ حق نواز نے جہاد کشمیر میں جو حصہ لیا اس کی روئداد ان کے پرانے ساتھی میجر محمد سردار



خان کے الفاظ میں سنئے۔

اد۔ ٹی۔ ایس جی کے بعد میری کیانی سے ملاقات مئی ۸، ۱۹۴۸ء میں کشمیر کے علاقے جکو تھی میں ہوئی۔ کشمیر آپریشن جاری تھا میں اس وقت مشہور و معروف بریگیڈر طارق بعد کو میجر جنرل محمد اکبر خان ڈی ایس او کا جونیئر اسٹاف افسر تھا۔ محاذ کی صورت حال یہ تھی کہ ہندوستانیوں نے اپنا گرمانی جہاز خانہ حملہ شروع کر رکھا تھا۔ بے ضابطہ فوجی اور قبائلی اس کی تاب نہ لاتے ہوئے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اب کمانڈر پر بڑا دباؤ تھا کہ وہ اپنی دفاعی پوزیشن کو از سر نو منظم کریں اس لئے انہوں نے بلوچ رجمنٹ کی ایک بٹالین کو حکم دیا کہ وہ ایسٹ آباد سے آکر آگے مورچے سنبھال لیں۔ میرے سپرد یہ کام تھا کہ میں اس پلٹن سے ٹرانسپورٹ لے کر قبائلیوں کو ان میں واپس بھیجاؤں۔ اس پلٹن کے ساتھ کیانی کشمیر آئے تھے۔ یہ میری ان سے ایک عرصے کے بعد پہلی ملاقات تھی۔ ان کے دل و دماغ میں ایک طوفان بپا تھا وہ بڑے جوش میں تھے۔ ہزار منصوبے ان کے ذہن میں تھے۔ وہ ملک کے لئے اور کشمیر کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار تھے، واقعی تیار تھے۔

چند ماہ بعد ان کی بلوچ پلٹن نے بڑی مشہور پہاڑی جگہ پانڈو پر حملہ کیا کیانی اس پلٹن کے انٹیلی جنس افسر تھے اور پلٹن کے کمانڈنگ افسر لیفٹیننٹ کرنل شیر بہادر تھے (جو بعد کو میجر جنرل ہو کر پاک آرمی کے سی جی ایس ہوئے)، اس مہم میں کیانی نے بڑی جرات اور ہمت کا مظاہرہ کیا (اپنی پھرتی، خفیہ چلت پھرت میں تیزی کی بنا پر انہیں اس آپریشن میں پہاڑی کبوتر کہا جانے لگا)

کشمیر آپریشن کے بعد کے عرصے میں جی نواز کیانی کیپٹن ہو کر ۱۹۵۰ء میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کی خالد کسپنی میں پلاٹون کمانڈر رہے۔ اس کے بعد اپنی پلٹن کے ساتھ مختلف مقامات پر تعینات رہے۔



## ۵۷-۱۹۵۶ء میں کوہاٹ میں ان کی تعیناتی

کوہاٹ کی تعیناتی حق نواز کے ذہنی سفر کی روئداد میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اب تک ان کے اندر جو مذہبی عصبیت تھی وہ دل کے کسی نہاں خانے میں تھی باہر سے وہ ایک عام دنیا دار قسم کے افسر تھے زندگی کی نیزنگیوں میں کھڑے ہوئے خوش لباس خوش طبع سلی راحتوں اور لذتوں کے دلدادہ کوہاٹ آکر انہیں ایک بزرگ سے عقیدت ہو گئی اس عقیدت نے ان کی کاپلٹ دی صوفیا کے طریقے پرورد کرنے لگے۔ اللہ ہو کا وظیفہ ان کا معمول بن گیا اور باہر سے بالکل بدل گئے اور آئندہ سالوں میں یہ تصوف اور درویشی کا رنگ چڑھتا ہی گیا۔

لیکن ان کا تصوف خالص تھا ہی نہیں میدان کارزار کا تصوف تھا جس کی وجہ سے اپنے پیشے سے ان کی لگن دوچند ہو گئی تھی۔ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ہندوستان سے ایک محاذ آرائی کی صورت پیدا ہو گئی اور اس محاذ آرائی میں میجر حق نواز کیانی پیش پیش تھے بلکہ اس دوران میں انہوں نے گولیوں کے سائے میں اپنی پوری کمپنی کے ساتھ نماز پڑھ کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی۔

اس ٹکراؤ اور کارنامے کی روئداد میجر محمد سرور خان سناتے ہیں۔

## ۶۱-۱۹۶۰ء کا معرکہ

۶۱-۱۹۶۰ء میں انڈیا سے سیالکوٹ جموں سرحد پر ایک محاذ آرائی کی صورت پیدا ہو گئی۔ کم و بیش ایک ایکڑ بنجر زمین پر جھگڑا تھا۔ ہندوستان کا دعوے تھا کہ یہ ٹکڑا اس کے علاقے میں شامل ہے۔ اسی تنازعہ پر دونوں طرف سے فوجیں آمنے سامنے جمع ہو گئیں اور بہت کشیدگی پیدا ہو گئی کسی وقت بھی تصادم شروع ہو سکتا تھا۔ اس تنازعہ علاقے سے بالکل متصل بریگیڈیئر شاہ نواز کے انفنٹری بریگیڈ مورچہ بٹھالے ہوئے

تھے کیانی کی پلٹن ایبٹ آباد سے آکر اس بریگیڈ سے ملی۔ میں ایک ٹینک شکن مساون  
بٹالین کے ساتھ تھا جو اسی بریگیڈ کے زیرِ کمان کر دی گئی تھی۔

جوں ہی مجھے اس محاذ آرائی میں کیانی کے موجود ہونے کی اطلاع ملی، میں ان سے  
ملنے ان کی پلٹن کے ہیڈ کوارٹر میں گیا وہاں جا کر مجھے پتہ چلا کہ کیانی کی کمپنی تو اسی تنازعہ  
ٹکڑے کے ٹھیک اندر مورچے سنبھالے ہوئے ہے چنانچہ میں پھر وہاں گیا میری حیرت  
کی انتہا نہ رہی کہ کیانی اس ٹکڑے کے بالکل آخری کنارے پر دشمن دستوں کے عین سامنے  
بڑے مزے سے ٹہل رہے ہیں یہ ٹکڑا ہر وقت دشمن کے فائر کی زد میں رہتا تھا۔ دشمن کی  
پالیسی یہ تھی کہ وہ اس ٹکڑے پر ہلکے خود کار ہتھیاروں سے تقریباً ہر وقت فائر کرتا رہتا تھا  
ان کی کمپنی نے اسی متواتر فائر کے دوران ہی بڑی پھرتی سے اور دلیری سے اپنے مورچے  
بنائے تھے جب میں گیا تو وہ دشمن کے اوپی کی گھات میں تھے کہ کس طرح اس کو گرا یا  
جائے۔ دشمن کا اوپی ایک بہت اونچے اور گھنے درخت کے اندر ریت کے بوروں  
کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ یہ بڑی محفوظ جگہ تھی۔ اوپی درخت کے تنے کی اوٹ سے ایک  
دسے کی سیڑھی کے سہارے چڑھتا اترتا تھا۔ کیانی کئی گھنٹوں سے اس اوپی کی تاک میں  
تھے کہ کس طرح اس کو نشانہ بنائیں چونکہ اس کے فائر سے بہت تنگ تھے۔

## دشمن کے عین سامنے نماز

یہاں ایک ایسے واقعہ کا بیان ضروری ہے جس سے اس عظیم آدمی کے کردار  
اور مزاج پر کافی روشنی پڑتی ہے اس محاذ آرائی کے سلسلے میں جمعہ آگیا۔ کیانی نے  
جمعے کی نماز کے لئے ساری کمپنی کو اکٹھا کیا اور دشمن کی نگاہوں کے عین سامنے ساری  
کمپنی نے جمعے کی نماز ادا کی۔ بششدر اور حیران دشمن نماز کے دوران ایک راؤنڈ

بھی فائز نہ کر سکا۔ بہر حال اتنا بڑا خطرہ کیانی ایسے پختہ ایمان اور جرات کا انسان ہی لے سکتا تھا۔

۶۱-۱۹۶۰ء کی اس محاذ آرائی کے دوران میں نے محسوس کیا کہ وہ کشمیر کے بارے میں بہت سنجیدہ ہیں۔ ان پر ایک جنون کی سی کیفیت طاری تھی، ایک ہی دھن، ایک ہی بات، ایک ہی مسئلہ کہ کس طرح کشمیر کو آزاد کرایا جائے۔ اس بارے میں ان کے خیالات بہت دو ٹوک اور بے لاگ تھے وہ بڑی شدت سے کہتے تھے کہ ہندو نے مقبوضہ کشمیر کا علاقہ طاقت کے استعمال سے لیا ہے۔ طاقت ہی سے اسے واپس لیا جاسکتا ہے۔

۶۱-۱۹۶۰ء کے واقعہ کے بعد میجر کیانی کو ریس کے لئے اسٹاف کالج کوئٹہ گئے اس کے بعد کیانی کی زندگی کا اہم موڑ ۱۹۶۵ء ہے۔ ستمبر ۶۵ء جنگ میں میجر حق نواز کیانی ۹-۱۷ء کے رجمنٹ کے ساتھ اس کے لڑاکا ونگ کی کمان کر رہے تھے۔ کشمیر اور اسلام کی محبت اور اس کی خاطر کچھ کرنے اور جان دے دینے کی جو بچی خواہش ان کے دل میں مدتوں سے مچل رہی تھی اب اس کے اظہار کا وقت آگیا تھا۔

۶۵ء کے جہاد کشمیر کے وقت پاکستان نے بڑے بڑے ہیرو پیدا کئے ان میں ایک تابندہ نام حق نواز کیانی کا ہے اس جہاد میں حق نواز کے ذمے یہ فرض تھا کہ دشمن کو انس کے علاقے میں گہرے زخم لگائیں۔ اس کام میں جو صرف جان جو کھوں کا کام ہی نہ تھا بلکہ فراست اور جنگی چالوں میں مہارت کا تقاضا بھی کرتا تھا۔ حق نواز نے وہ حیرت انگیز کامیابی حاصل کی جس کی تفصیل ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے حقیقت کی انتہا بھی بقول ایک مفکر کے یہی ہے کہ وہ افسانہ بن جائے۔

ان کشمیری معرکوں میں حق نواز کیانی کے دست راست میجر اب (لیفٹیننٹ کرنل) یارڈ قاضی محمد جان ستارہ جرات تھے۔ انہوں نے بیشتر مہموں میں ان کے دوش بدوش حصہ

لیا اور ان کے جو شہس ایمانی کے مظاہرہوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ اس محاذ پر حق نواز کیانی نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ان کا جائزہ ان سے بہتر کون لے سکتا ہے۔ حق نواز کے بعد وہ اس عسکری ڈرامے کے دوسرے اہم کردار تھے۔ اس لئے ہم نے ان سے خط و کتابت کی۔ ہماری خواہش تھی کہ ہم ان سے براہ راست انٹرویو کرتے۔ ایسا کرنا تو ممکن نہ ہوا۔ بہر حال ہمارے سوالات کے جواب میں قاضی صاحب نے جو لکھ کے بھیجا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں اس کارنامے کی تفصیلات آگئی ہیں جس کے سرانجام دینے پر حق نواز کیانی اور انہیں ستارہ جرات کا اعزاز عطا ہوا۔

## ۱۹۶۵ء کے معرکوں کی داستان

از یفٹینٹ کرنل قاضی محمد جان ستارہ جرات

میں یفٹینٹ کرنل قاضی محمد جان ستارہ جرات، کرنل حق نواز کیانی کا ہم راز ہوں اور میں تمام معرکوں میں جو کرنل کیانی شہید نے دشمن کے خلاف لڑے شامل رہا ہوں اس لئے میں سچائی پر مبنی آنکھوں دیکھا حال کرنل کیانی شہید کا آپ کے لئے اور قوم کی راہنمائی کے لئے لکھ رہا ہوں۔

## کرنل کیانی شہید کی عین گھسان کی لڑائیوں میں کیفیت

کرنل حق نواز کیانی شہید ایک درویش قسم کے انسان تھے جو اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے بعد عام طور پر یاد خدا میں وقت گزارتے تھے۔ ہمیشہ حق کا بول بالا کرنے کو وہ افضلیت کا درجہ دیتے تھے۔ مومن کے تمام اوصاف ان میں موجود تھے اور پاکستان کے



بچے خیر خواہ تھے۔

ہندوستان کی فوج کے ساتھ جتنے معرکوں کی انہوں نے قیادت کی میں ان کے ساتھ تھا۔ وہ جذبہ جہاد میں ہمیشہ سرشار اور جام شہادت نوش کرنے کے مشتاق رہتے تھے۔ بالآخر انہیں اللہ تعالیٰ نے رتبہ شہادت نصیب فرمایا اور حقیقی معنوں میں میرا ایمان ہے کہ ان کی ۵ مئی ۱۹۷۲ء کو دیرینہ آرزو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی۔

وہ جنگ کے دوران اور خاص طور پر ہر معرکے میں ہمیشہ با وضو رہتے تھے اپنے ماتحت کو حکماً وضو میں رہنے کی تلقین کرتے ساتھ "یا بدوح" کا ورد ہر لمحہ اور عین جنگ میں جاری رکھنے کی سختی سے تلقین کرتے تھے وہ خود اور سب ماتحت دو نفل ادا کر لینے کے بعد میدان جنگ کی طرف روانہ ہوتے اور پھر معرکے میں فتح یا ہزی کے بعد دو نفل سب عملے کے ساتھ بطور شکرانہ ادا کرتے تھے۔ معرکے میں شہید کا جنازہ ادا کرتے اور پھر وہ گڑ گڑا کر روتے تھے اور حسرت سے یکھے منہ سے ادا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ (یعنی شہیدوں) کو چن لیا ہے اور اپنے پاس بلا لیا ہے۔ میں بد نصیب ہوں جس کو خدا نے پسند نہیں فرمایا۔ پھر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر یقین ہے کہ کبھی میری بھی سنے گا۔ میری خطائیں معاف فرمائے گا اور اپنی مہربانی سے مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے گا۔ میں اُس کے رحم و کرم کا امیدوار ہوں۔

یہ مختصر تحریر بالکل ان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات پر مشتمل ہے۔

کرنل حق نواز کیانی شہید نے ۱۹۷۵ء کی بھارت پاکستان جنگ میں متعدد معرکوں میں بحیثیت کمانڈر کے حصہ لیا اور ان کے کارنامے کتاب کی شکل میں کئی جلدوں میں منضبط

ہو سکتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ حق نواز کی تمام کارکردگیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تاکہ آئندہ نسلیں ان سے سبق حاصل کریں اور ملک و ملت کے حق کو ادا کریں جس طرح حق نواز نے حق ادا کیا۔ میں صرف ان کے ایک معرکہ کو احاطہ تحریر میں لاتا ہوں۔

## دشمن کی فوج جو کیانی کی قیادت میں لقمہ اجل بن گئی

ہندوستان کی فوج کی مشہور پلیٹوں میں سے ایک پلیٹ جو ۸ کماؤں ٹالین کہلاتی تھی نہایت ہی اعلیٰ تربیت یافتہ تھی اور جس کے سی اور کو یہ گھمنڈ تھا کہ پاکستان کی کوئی بھی پلیٹ ۸ کماؤں پر فتح حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ پلیٹ ہندوستان کے علاقے میں ناقابل شکست کے طور پر تھی۔ اس پلیٹ کا سی اور کرنل جی ایس بلیر تھا اور حقیقی مسنون میں کرنل بلیر نے اس پلیٹ کی اعلیٰ تربیت کی ہوئی تھی۔

## کرنل بلیر کے الفاظ

کرنل بلیر نے جو (سی اور ۸ کماؤں تھے) پلیٹ کا دربار کیا اور پلیٹ کو دوسری ہدایات دینے کے بعد پاکستان کے خلاف زہرا گل کر جو انوں کے حوصلے بلند کرنے کے لئے یہ کہا۔ بہادر و! پاکستان کی فوج (اپنے قیام والے ریسٹ ہاؤس کی طرف اشارہ کر کے) میرے اس بچے کے غسل خانہ کی مانند ہے اور بھارتی سینا اس بھاری بھر کم ریسٹ ہاؤس کی مانند۔ ہم اور خاص کر ۸ کماؤں پاکستانی فوج کو زندہ چبا کر رکھ دیں گے۔ اس پر پلیٹ نے جے ہند کے نعرے لگائے۔ راقم الحروف بکریوں کے چرواہے کے لباس میں چند بکریوں اور بھٹیروں کے ساتھ دربار کے قریب کھیت میں سے تمام کارروائی سن رہا تھا۔ ساتھ ہی دشمن کی پلیٹ کی تعداد افسردہ گیر کئی ایک اہم چیزیں جو ہیں اس پلیٹ پر دھاوا

بولنے کے لئے درکار تھیں کرنل کیانی تک حرف بحرف پہنچا دی گئیں۔ کرنل حق نواز کیانی اس وقت میجر تھے اور ایک ایسے گروپ کے کمانڈر تھے جو تمام قسم کے اسلحہ سے لیس تھا۔ اور جس کا عملہ پیشل سروس گروپ کے ٹرینڈ لوگوں پر مشتمل تھا۔ میجر حق نواز کیانی کرنل بلیرا کے پاکستانی فوج کے متعلق ہتک آمیز کلمات سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور دشمن سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ ابتدائی کارروائیاں مکمل کرنے کے بعد ایک شام کو معمول کے مطابق وضو اور نفل ادا کرنے کا حکم دیا اور دشمن کے علاقے کی طرف کوچ کر دیا۔ اس حملے کی تمام کارروائی راز میں رکھی گئی۔ صرف کمانڈر فردا فردا اپنی ریکی کر چکے تھے۔ تجویز کے مطابق کمانڈر اپنے اپنے حصے کے آگے مارش کر رہا تھا قریباً رات کے ۱۲ بجے ایک مقام پر تمام نفری جمع ہو گئی جو دشمن کے علاقے میں پہنچنے والی تھی اور پھر کرنل حق نواز کیانی نے اپنی نفری پر حملہ کرنے کا راز افشا کیا۔ پوری تجویز خود انہوں نے تمام نفری پر واضح کی۔ پھر جہاد کی چند مثالیں دیں۔ اپنی نفری کو خود مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے کو اس کا خاص کام اور اس کو پورا کرنے کا طریقہ وضاحت کے ساتھ بتایا۔

تجویز اس طرح تھی کہ رات کو دشمن یعنی ۸ کماؤں کی صفوں سے خاموشی سے گزر کر اس کے پیچھے ہٹ کر وارٹر کے ایریا میں پہنچا جائے صبح کے وقت جب دشمن ناشتہ کرے اور جوان اپنے اپنے لنگروں پر ناشتہ کے لئے جائیں تو اس وقت ایک بارگی کے ساتھ بھرپور حملہ کر کے دشمن کو تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام مرحلے احسن طریقے سے طے ہو گئے صبح ہونے کو تھی۔ مرغ صبح کی خوشی میں اذان دینے لگے اور ۸ کماؤں کو موت کے پیغام پہنچانے لگے۔ ۸ کماؤں نے ہندوؤں کے طریقہ کے مطابق پہلے غسل کیا اور پھر چائے



حلوہ پوری کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی وقت کیانی کی فوج کے حملہ کا تھا لہذا ہر ایک گروپ نے اشارے پر اپنے مقصود پر لمبہ بول دیا۔ اس اچانک حملے نے دشمن کے حواس باختہ اور حوصلے پست کر دیئے۔ کئی ایک جگہوں پر مزاحمت بھی ہوئی اور دست بستہ لڑائی بھی کرنا پڑی، ۱۲ منٹ میں دشمن کی پلٹن جو لگ بھگ ایک ہزار نفوس پر مشتمل تھی جہنم رسید کر دی گئی۔

## کرنل بلیر کا انجام

کرنل حق نواز کیانی کو میں نے خود آفیسر میس کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا ان کے دونوں ہاتھوں میں دوپٹے نکلے ہوئے ایچ ای ۳۶ گرنڈ تھے اور سوٹی بغل میں دبا رکھی تھی۔ وہ پھرتی سے دشمن کے موچروں میں گرنڈ پھینکتے ہوئے کرنل بلیر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ کرنل بلیر کو کمرہ میں نہ پایا غسل خانہ کا دروازہ توڑا تو وہ اندر تو لیہ جسم کے گر دیئے ہوئے کھڑا تھا میں بھی کرنل کیانی کے پاس اس وقت پہنچ گیا تھا۔ کرنل کیانی نے کرنل بلیر پر سوال کیا کہ پاکستانی فوج اس غسل خانے کے برابر ہے یا ہندوستانی فوج۔ آج ۸ کمائوں کہاں ہے؟ کرنل بلیر خاموش شن پوزیشن میں کھڑا تھا۔

اس پر کرنل کیانی نے کہا کہ نہ میں تم کو قید کر سکتا ہوں اور نہ چھوڑ ہی سکتا ہوں۔ اس کا حل صرف گولی ہے۔ اپنے ساتھ حوالدار عبدالرشید کو اشارہ کیا جس نے طین گن سے بوجھاڑ کر کے کرنل بلیر کو ڈھیر کر دیا۔

اس کے بعد دشمن کی گاڑیوں، پٹرول، امینشن اور راشن کے ڈپوؤں کو آگ لگادی اور پل بھر میں تمام ساز و سامان کو خاکستر کر دیا۔

کرنل کیانی نے اپنے دستوں کو بتلائے ہوئے راستے پر واپس اپنی جگہ پر پہنچے کا حکم دیا جو باحفاظت اور بغیر کسی مزاحمت کے اپنے علاقے میں پہنچ گئے اس پوری کارروائی میں ہمارے نوجوان بازوں نے جام شہادت نوش فرمایا ان میں ایک نائب صوبیدار محمد حسین جو برٹش



انڈین آرمی میں ایم۔ ایم کا تمغہ حاصل کر چکے تھے، شہید ہوئے۔

کرنل کیانی نے کبھی اپنی جان کی پروا نہیں کی وہ ہمیشہ شہادت کے متلاشی تھے۔ پاکستان کے عاشق تھے وہ پاکستان اور اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جان کو حقیر سمجھتے تھے۔ اس معرکہ میں کرنل کیانی کے بعد میں سنیئر افسر تھا۔ لہذا کرنل کیانی کی بہادری کی تفصیل میں نے لکھ کر اعلیٰ کمانڈروں کو بھجوائی اور ان کو پہلی دفعہ ستارہ جبرأت ستمبر ۱۹۶۵ء میں حکومت پاکستان نے عطا کیا اور جس طرح کرنل کیانی نے ایک پاکستانی کی حیثیت سے قوم کا حق ادا کیا اسی طرح قوم نے بھی ان کو بہادری کا اعزاز دے کہ حق ادا کر دیا۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ کرنل کیانی جیسے جانباز اور مخلص لیڈر پاکستانی فوج کو عطا کرے۔ آمین۔

۱۹۶۷ء میں کیانی صاحب کا بڑا لڑکا اصغر ملٹری کالج شیر شاہ ہاؤس میں پڑھ رہا تھا کرنل کیانی اصغر سے ملنے اکثر آیا کرتے تھے۔ ایک بار ہم نے ان سے درخواست کی کہ وہ طلباء کو اپنے ستارہ جبرأت کے معرکے کے بارے میں بتائیں چنانچہ شیر شاہ ہاؤس کے آڈیٹوریم میں انہوں نے یہ پورا واقعہ تفصیل سے سنایا۔ اس معرکے کی تفصیلات انہوں نے کم و بیش وہی بتائیں جو کرنل قاضی جان نے بیان کی ہیں۔ اس لئے یقین سے کہا جاسکتا ہے یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا جس طرح قاضی صاحب نے بیان کیا ہے۔

۱۹۶۵ء کے معرکوں میں دو کشمیری مجاہد لڑکوں نے کیانی صاحب سے بہت تعاون کیا بلکہ بیشتر معرکوں میں وہ ان کے قدم بہ قدم ساتھ رہے اور کچھ اس طرح ان سے وابستہ ہوئے کہ ان کی شہادت تک امن اور جنگ میں ان کی خدمت میں حاضر رہے ان میں سے ایک کا انٹرویو درج کیا جاتا ہے۔

## کشمیری مجاہد راج محمد کا انٹرویو

سوال ۱۔ آپ کا پورا نام کیا ہے۔

جواب ۱۔ راج محمد مجاہد۔

سوال ۱۔ یہ مجاہد کوئی گوت ہے یا ذات۔

جواب ۱۔ نہیں میں ۶۵ء میں مجاہدوں میں بھرتی ہوا تھا۔ کرنل حق نواز کیانی صاحب مجھے مجاہد ہی کہتے تھے۔

کرنل صاحب اس زمانے میں میجر تھے وہ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ انہیں کشمیری جانبازوں کی ضرورت پیش آئی جو کشمیری زبان جانتے ہوں اور علاقے سے خوب واقف ہوں۔ اتفاقاً ہماری ملاقات کیانی صاحب سے ہو گئی تھی۔ اس دن سے ہم دونوں کیانی صاحب کے قدموں میں رہے۔ سوال ۱۔ ہم سے کیا مراد ہے۔

جواب ۱۔ یعنی میں راج محمد اور امام دین ہم دونوں ہم عمر تھے اور ایک ہی جگہ رہتے تھے۔

سوال ۱۔ آپ کا آبائی وطن؟

جواب ۱۔ بارہ مولا مقبوضہ کشمیر۔

سوال ۱۔ اب آپ کی عمر کیا ہوگی۔

جواب ۱۔ اپریل ۱۹۴۸ء کی پیدائش ہے اب کوئی اکیس برس کے لگ بھگ ہوگی لیکن جب کیانی صاحب کے ساتھ جہاد شروع کیا ہم دونوں کا لڑکپن تھا چونکہ قد چھوٹا تھا اس لئے بالکل بچے نظر آتے تھے۔ اسی چیز نے ہمیں بارہ مولا بچایا۔

سوال ۱۔ مجاہد صاحب، آپ کیانی صاحب کے اس مشہور کارنامے میں شریک تھے جس کے بعد انہیں ستارہ جرات ملا۔

جواب ۱۔ جی بالکل شریک تھا۔ اس کے شروع سے آخر تک چونکہ میں صاحب کا خاص اعتمادی تھا اس لئے مجھے ہر ہر بات کی خبر ہے۔

سوال ۲۔ براہ کرم اس معرکے کی تفصیل سے آگاہ کیجئے۔

جواب ۱۔ کشمیر کا جہاد کوئی ایک معرکہ نہیں تھا بلکہ کیانی صاحب نے امیر سہزہ کی کہانیوں کی طرح بہت سے حیرت انگیز دلیری اور ہوشیاری کے کارنامے انجام دیئے۔ بے نظیر بیس بدلتے تھے کبھی کشمیری بابا ہوتے تھے کبھی کچھ کبھی کچھ اور چھلا وہ کی طرح کبھی یہاں کبھی وہاں دنیا حیران تھی کہ میجر حق نواز چیز کیا ہے۔ حق نواز کے نام سے دشمن کا پتا تھا۔ باتیں بہت سی ہیں لیکن چونکہ آپ نے صرف اس واقعہ کی تفصیل منگی ہے اس لئے وہی بیان کرتا ہوں۔

دشمن کا برگیڈ ہیڈ کوارٹر نوگام میں تھا ہم مجاہد ڈنہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ ڈنہ سے نوگام تک پیدل سفر دو ڈھائی دن کا تھا۔ ہم تین آدمی کرنل صاحب کے حکم سے اس علاقے کی ریکی کر رہے تھے۔ ہمارا کام ہی تھا کہ دشمن کی نقل و حرکت سے کرنل صاحب کو باخبر رکھیں۔ ہم نے ہیڈ کوارٹر پر لوگوں کا ہجوم دیکھا تو ہم بھی اپنی بکریوں کو چراتے چراتے ذرا قریب آگئے۔ ہم لوگ بالکل کشمیری حلیے میں تھے اور چرواہے بنے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے لکڑیاں کاٹ رہے تھے اور ریوڑ ہانک رہے تھے کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال ایک کرنل صاحب نے (وہ ۸ کماؤں رجمنٹ کا کمانڈنگ افسر تھا) اپنے جوانوں اور نوگام کے خاص خاص لوگوں کے کہا: "پاکستان ہندوستان کے سامنے چیز ہی کیا ہے ہم اسے لیوں



ہاتھ کے اشارے سے کچل سکتے ہیں۔ چیونٹی ہاتھی کا مقابلہ بہر کچھ دیر کے بعد کہا۔ ”وہ  
ہیڈ کوارٹر کی بیرک دیکھو اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا غسل خانہ بھی ہے۔ یہ نسبت ہے  
پاکستان کو ہمارے بہت بڑے بھارت سے۔ کہاں بنگلہ کہاں غسل خانہ؟“ ہم نے یہ  
باتیں اپنے کانوں سے سنیں اور کرنل صاحب کو آکر بتائیں۔ کرنل صاحب سسن کر  
آگ بگولہ ہو گئے۔ جس وقت ہم نے یہ خبر پہنچائی تھی شام کا وقت تھا۔ بلکہ مغرب کا  
وقت تھا۔ کچھ مجاہد کھانا کھا چکے تھے کچھ کھا رہے تھے۔ کرنل صاحب نے فوراً سب کو  
جمع کیا اور کہا خبر ملی ہے۔ اس بد زبان نے پاکستان کی توہین کی ہے۔ جب تک ہم  
اس کا بدلہ نہ لے لیں ہم پر کھانا پینا حرام ہے۔ چلو میرے شیر و تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ  
کرنل صاحب کے حکم پر سب تیار ہو گئے اور آٹھ بجے تک روانہ ہو گئے۔ بہت  
لمبا راستہ تھا لیکن کرنل صاحب نے کہہ دیا تھا کہ کل چھ بجے تک پہنچنا ہے کچھ ڈھلان  
تھی اور کچھ جوش تھا۔ سب لوگ تیزی سے جا رہے تھے بلکہ بھاگ رہے تھے راستے  
میں ہمارا ایک مجاہد جو ذرا کمزور تھا گر پڑا۔ ایسا لگا کہ دم دے گیا ہے۔ اس کو ہم نے کبل  
سے ڈھانپ کر اس پر لکڑیاں ڈال دیں اور ہم بھاگ بھاگ آگے ہی بڑھتے رہے سب  
سے آگے کرنل صاحب اور ہم دو مجاہد تھے تاکہ راستہ بتا سکیں۔ صبح تک ہم اپنی منزل  
مقصود پر پہنچ گئے۔ کرنل صاحب نے سارے آدمیوں کو کیمپ کے ارد گرد  
پھیلا دیا اور حکم دیا جب تک نعرہ حیدری یا اللہ اکبر کا نعرہ نہ سنائی دے خاموش  
دبکے رہنا ہے۔ آدمیوں کو ادھر لگا کر کرنل صاحب نے مجھ سے اور امام دین سے  
کہا۔ بیٹو، اب مجھے اس کرنل کی جگہ بتاؤ۔ ہم انہیں بیرک تک لے آئے۔ آگے سنتری  
کھڑا تھا۔ اس سے ہم نے کہا ہمیں کرنل سے ملنا ہے۔ اس نے پوچھا کیا کام ہے میں  
نے کہا ضروری کام ہے۔ اس نے کہا کرنل صاحب باہر گیا ہوا ہے۔ یہ سن کر ہم واپس



آگے کرنل صاحب نے اپنے آدمیوں کو دو تین میل پیچھے ہٹا دیا۔ اور ہم دونوں سے کہا کہ تم اپنے گاؤں جاؤ۔ (جو تین میل دور تھا) اور کرنل کے آنے کی اطلاع دینا۔ ہم اپنے گاؤں چلے گئے پھر واپس آئے۔ ادھر ادھر ٹوہ لیتے رہے وہاں مزدوروں کا نمبر وار مل گیا۔ اس سے معلوم ہوا کرنل اور بڑی گنڈ کمانڈر کل شام واپس آئیں گے۔ چنانچہ ادھر ادھر گھومتے رہے۔ دوسرے روز واپس بیرک پہنچے۔ لکڑی کا دو منزلہ مکان تھا اور بڑا صاحب ادھر پر کی منزل میں تھا اور کماؤں ریمنٹ کا کمانڈنگ افسر بھی تھا ہم نے کرنل صاحب کو جا کر اطلاع دی کہ شکار آگیا ہے۔ کرنل صاحب نے مجاہدوں کو بتایا کہ انتقام لینے کا موقع آگیا ہے۔ تم لوگ جلدی جلدی کھانا کھا لو۔ تھوڑا آرام کر لو۔ جوانوں نے کہا اب کھانا نہیں کھائیں گے۔ آگ جلانا پڑے گی چنانچہ صبح دسویں تک کیمپ گھیرے میں لے لیا اور بتا دیا کہ جب تک اللہ اکبر کی آواز نہ آئے کوئی اپنی جگہ سے قطعاً حرکت نہ کرے۔ اس کے بعد حملہ آور پارٹی آگے چلی۔ چار سپاہی ایک حوالہ دار ہمارے ساتھ رہے۔

دوسری پارٹی میجر قاضی جان صاحب کی قیادت میں تھی۔ اس کا نشانہ آفیسرز بیس تھا۔ چار سپاہی اور حوالہ دار ہمیں کوز دینے کے لئے باہر ٹھہر گئے۔ کرنل کی بیرک کی طرف ہم تین آدمی گئے کرنل صاحب میں راج محمد اور امام دین کے پاس اسٹین گن تھی میرے پاس کرنل صاحب کا تھیلا تھا جس میں کچھ گولیاں اور گریڈ تھا خود کرنل صاحب کے سیدھے ہاتھ میں پستول تھا جس پر کپڑا بندھا ہوا تھا بائیں ہاتھ میں ایک بید تھا کرنل صاحب عام ملیشیا کے کپڑوں میں تھے ہم دونوں کشمیری لباس میں تھے۔ بیرک کے دروازے پر ایک ایم پی کا سپاہی ملا اس کو ہم نے بہت اطمینان سے کہا ہم کرنل صاحب سے ایک ضروری کام سے ملنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک اس وقت

ادھر سے کرنیل کا اردلی گزرا۔ ایم پی کے سپاہی نے اردلی سے کہا ان کو کرنیل صاحب سے ملا دیں۔ یہ کہا اور آگے چلا گیا۔ ہم نے اردلی سے پوچھا کرنیل صاحب کدھر ہے۔ اس کے منہ سے فوراً نکلا کرنیل صاحب غسل خانے میں نہا رہا ہے۔ جب یہ باتیں ہوئیں تو کرنیل نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ اردلی نے کہا ایک سول آدمی آپ کو پوچھ رہا ہے کرنیل نے کہا پوچھو۔ کیا بات ہے۔ اس پر کیانی صاحب نے ذرا سخت لہجے میں کہا کہ آپ باہر آئیں تو میں بات بتاؤں گا۔ وہ کرنیل غصے سے باہر نکلا۔ سیلنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ تو یہ کندھے پر تھا۔ پھر پوچھا تم کون ہو؟ کرنیل صاحب نے گرج کر کہا اب بھی تجھے معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں۔ میں اس ملک کی لیونٹ کا ٹو آئی سی ہوں جس کو تم نے غسل خانہ کھاتا اور تو اس بڑے محل کی لیونٹ کا سی او ہے، کیانی صاحب ہاتھ کاپستول اس کی طرف تانے کھڑے تھے۔ اس نے کہا مجھے قید کرو۔ مارو مت۔ کیانی صاحب نے کہا میں تجھے چھوڑ نہیں سکتا یہ کہہ کر اس پر دو فائر کئے وہ بھاگ کر غسل خانے میں چھپا اندر سے کہا میری ۳۵ سال کی نوکرہ ہے مجھے قید کر لو۔ مارو مت۔ انہوں نے کہا میری عمر ۳۵ برس کی ہے۔ کیانی صاحب نے پھر مجھ سے گریڈ لے کر پھینکا ہم سے لیٹ جانے کو کہا گریڈ گستاخ کرنیل کا کام کر چکا تھا۔ غسل خانہ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا وہ بڑی طرح لکڑیوں میں پھنس گیا تھا۔ دوسری پارٹی جو میجر قاضی جان کی کمان میں تھی اس نے ان کے آفیسرز میں افسروں کو جابایا تھا۔ ہیرک سے اوپر کمرہ سے بریگیڈ کمانڈر بھاگ گیا تھا۔ ہیرک کے ساتھ ایک چبوترہ تھا اس پر کھڑے ہو کر حوالدار نے فوجی دنگایا تو ہمارے مجاہد دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اس چھاپے میں دشمن کی پوری پلٹن، اس کا سارا ساز و سامان ایمونیشن، پٹرول ڈیو سب کچھ تباہ کر دیا گیا۔ دشمن کا صرف ایک سگنل حوالدار باقی بچا تھا جو کہیں بکر میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہمارے مجاہدوں میں سے

ایک شہید اور چار زخمی ہوئے تھے۔ حملے کے بعد ہمارے پاس صرف ۱۳۵ راؤنڈ باقی بچے تھے۔ کرنل صاحب نے کام تو اور بھی بہت سے کئے لیکن چھاپہ ان کی جرات اور قیادت کا شاہکار تھا۔

## ستارہ جرات کا اعزاز اور اس پر کیانی کا رد عمل

اس معرکے پر حق نواز کو ستارہ جرات ملا۔ دنیا جہاں میں ان کی جرات اور فراست کے اس حیرت انگیز کارنامے پر واہ واہ ہوئی لیکن خود حق نواز کیانی کا تاثر کیا تھا اس کا اندازہ اس گفتگو سے ہو سکتا ہے جو ان کے اور لیفٹیننٹ کرنل (بعد کو بریگیڈیر) محمد اسلم جنجوعہ سے جون ۱۹۶۶ء میں پی ایم اے کے میس میں ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کو خوب جانتے تھے۔ کالج کے رشتے سے باہم منسلک تھے۔ دونوں کو ۶۵ء میں ستارہ جرات ملا تھا۔ میجر حق نواز نے کہا:-

”مبارک ہو، سر، ستارہ مبارک ہو۔ اس پر اسلم صاحب نے کہا آپ کو بھی مبارک ہو“ اس کا جواب حق نواز نے یہ دیا۔ ”ستارہ تو خیر ملی گیا لیکن اپنا کام نہیں بنا“ کام نے نہ بننے سے ان کی کیا مراد تھی۔ یہ راز بعد کو کھلا۔

## کرنیلی کے عہد سے پر ترقی

۶۵ء کے ستارہ جرات کی وجہ سے حق نواز کیانی کو ۱۹۶۶ء کے وسط میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہد پر ترقی ملی۔ اس سے پہلے انہیں بوجہ نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں میجر جنرل (ریٹائرڈ) ممتاز علی ستارہ جرات (دوبارہ) تہمرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

حق نواز نے لیفٹیننٹ کی حیثیت سے کشمیر آپریشن میں حصہ لیا تھا۔ بڑا اچھا کیریئر تھا

اہم منصبوں پر فائز رہے تھے لیکن سیرے کرنل نہیں بن سکے۔ ۱۹۲۵ء کی جنگ میں انہوں نے غیر معمولی شجاعت و فراست کے کارنامے انجام دیئے جس کے اعتراف کے طور پر انہیں ستارہ جرات کا اعزاز دیا گیا۔

اس کارکردگی کے نتیجے میں انہیں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی ان کی ترقی اس امر کی واضح مثال ہے کہ ایک افسر کو امن کے زمانے میں تو ترقی کا اہل نہیں سمجھا گیا لیکن جنگ میں اس نے اپنی اہلیت ثابت کر دی اور اس نے ترقی حاصل کر لی۔ بد قسمتی سے دفاعی ملازمتوں میں دنیا جہاں میں دستور بھی ہے کہ افسر کی اہلیت اس کے زمانہ امن کی کارکردگی سے خاص قسم کے پیمانوں سے جانچی جاتی ہے۔ اور اس کے بغیر چارہ بھی نہیں، لیکن اہلیت کا صحیح امتحان تو میدان جنگ میں ہی ہوتا ہے۔ میں اپنے تجربے سے کہہ سکتا ہوں کہ زمانہ امن میں یہ جانچنا کہ یہ افسر جنگ میں موثر ہو گا یا نہیں مشکل ہوتا ہے۔ چونکہ زمانہ امن اور جنگ کے حالات ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ بہر حال دنیا کی ریت یہی ہے کہ دیوانوں کو شہر کی نہیں دشت کی فضا اس آتی ہے۔ حق نواز نے بھی میدان جنگ میں اپنا لوہا منوایا اور کرنیلی لے کر ڈھا کر روانہ ہو گئے۔

ایسٹ پاکستان رائفلز میں لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی نے ایسٹ پاکستان رائفلز کی کمان سنبھالی۔ ایسٹ پاکستان میں اس وقت مجیب الرحمن کے چھ نکات کا چرچا شروع ہو گیا تھا اور بنگالی فیلڈز میں چنگاریاں فضا میں اڑنے لگی تھیں۔ بعض بنگالی افسر جنگ قومیت کی عصبيت کا اظہار جاوید بجا کرتے تھے اور اسی پی آر کے کاموں میں دخل دیتے تھے حق نواز کیانی نے سختی سے اس کا سد باب کرنے کی کوشش کی لیکن جو آگ لگ چکی تھی وہ یوں آسانی سے بجھنے والی نہیں تھی۔



ایسٹ پاکستان رائفل سے واپس آکر حق نواز کیانی کی پورنگ و ڈوٹنگ کے ساتھ ہوئی  
۹۶-۹۸ میں حق نواز کھاریاں ہی تھے۔ اکتوبر ۶۸ء میں انہوں نے ملٹری کالج جہلم کے اولڈ بوائے  
کی رسی یونین کا اہتمام کرنے میں کافی جوش و خروش سے حصہ لیا تھا۔ اس زمانے میں حق نواز  
کیانی کا بڑا لڑکا اصغر نواز کیانی بھی ملٹری کالج میں زیر تعلیم تھا۔

## ۱۹۷۰ء میں ریٹائرمنٹ

۱۹۷۰ء میں مدت ملازمت پوری ہونے پر انہوں نے ریٹائرمنٹ لینا پسند کیا۔ ان کی افتاد  
ایسی تھی کہ آداب ملازمت نبھانا ان کے لئے ہمیشہ مشکل رہا تھا۔ اپنی طبیعت کے سوا کسی اور سانچے  
کو وہ قبول ہی نہیں کر سکتے تھے۔ یہی ان کی بارہ تھی یہی ان کی جیت۔

## ریٹائرمنٹ کے بعد

وردی اتارنے کے بعد انہوں نے بڑے شوق سے جہلم چھاؤنی کے پاس چار مربع زمین  
پٹے پر لی اور بڑے ذوق شوق سے کھیتی باڑی شروع کر دی۔ کھیتوں کی کھلی فضا میں یہ آزاد  
کام ان کی آزاد طبیعت کے عین مطابق تھا۔

کھیتی باڑی میں بھی ان کا اپنا انداز تھا۔ مزدوروں اور مزارعوں کو اپنی اولاد کی طرح رکھتے  
تھے۔ ان کے ساتھ کام کرتے تھے جب کبھی کام سے دیر ہو جاتی تو وہیں زمینوں پر ایک چھوٹے  
سے کوٹھے میں زمین پر سو جاتے۔ لیکن ایک چھین ان کے دل میں باقی تھی۔ ایک آرزو انہیں  
اب بھی بے چین رکھتی تھی۔ وہ تھی شہادت کی آرزو۔ جب کشمیر کے معرکے کے قصے سناتے تو  
تان اس پر ٹوٹتی۔ تارہ جرات ملا۔ عزت ملی۔ مربع ملا۔ لیکن دل کی حسرت نہیں نکلی۔

## جنگ دسمبر ۱۹۷۱ء میں دوبارہ محاذ پر

جب ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جنگ چھڑی تو ریٹائرڈ افسر دوبارہ فوجی خدمت پر بلائے گئے۔

ان کو اطلاع ملی تو تڑپ اُٹھے۔ وہ میدان کارزار کے آدمی تھے، میدان کارزار میں ان کا دل لگتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی چھٹی جس نے انہیں بتایا تھا، حق نواز خوش ہو جا۔ اب تری مراد پوری ہونے کی ساعت آن پہنچی، چنانچہ اس لمحے کے بعد سے ان کے تیور بدلے ہوئے تھے جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

ڈیوٹی پر فوراً رپورٹ کرنا تھا۔ جلدی جلدی زمینوں پر گئے، ملازموں اور مزارعوں کو اکٹھا کیا اور بقول ان کے پرانے ملازم فضل نے کرنل صاحب سے کہا:-

یہ آپ سے میری آخری ملاقات ہے۔ آپ دعا کریں کہ میں اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤں اور میرا بھی کام بن جائے۔

یہ باتیں سن کر ان سیدھے سادھے بندوں کو حیرانی ہوئی لیکن چونکہ وہ اس طرح کی باتیں اپنے کرنل صاحب سے اکثر سنتے رہتے تھے اس لئے انہیں کوئی خاص دھیان نہ تھا، مسافر کیا، ہاتھ سینوں سے لگائے اور اپنے اس آقا کو جو سگیں ساتھی تھا خدا حافظ کہا۔

حق نواز کیا نی ان دنوں منگلا چھاؤنی میں رہتے تھے۔ گھر سے رخصت ہو رہے تھے کہ ہوائی حملے کے سائرن بجے لگے۔ تھوڑی دیر میں دشمن کے ہوائی جہاز نمودار ہوئے باقی سب تو خندقوں میں چھپ کر بیٹھے تھے۔ حق نواز جنگلے کے صحن میں ہوائی جہازوں کو دیکھ رہے تھے۔ ساتھ ہی بڑا لوط کا اصغر کھڑا تھا۔ دیکھتے دیکھتے دشمن کا ایک جہاز غوطہ لگا کر نیچے آیا اور بہت نیچے آکر راکٹ پھینک کر چلا گیا رفتار بھی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ اصغر نے کہا:-

ڈیڑی، جہاز نے اتنے نیچے آکر کیسے راکٹ گرایا؟ کسی نے اسے گرایا کیوں نہیں؟ حق نواز نے جواب دیا جو خطرہ مول لیتا ہے کامیاب ہوتا ہے، خدا ہمیشہ دیروں کا ساتھ دیتا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گئے۔

دسمبر ۱۹۴۷ء میں انہیں اپنی رجسٹرڈ ۱۳- اے کی کمان دی گئی۔ اس پلٹن میں ایک کمپنی اسکاؤٹس کی بھی تھی۔ فرائض منصبی کی جگہ اس بار بھی وہی وادی کیان لیا ویلی پاڈ وہاڑی کا علاقہ جس کے چپے چپے سے وہ واقف تھے ان کی نصف جان ہمیشہ کشمیر کی وادیوں میں رہتی تھی آج پھر وہ اپنی محبوب فضاؤں میں تھے۔ انہی کا تحفظ ان کے سپرد تھا۔

فائدہ بندی کے بعد دسمبر ۱۹۴۷ء کے اواخر میں دوبارہ بلائے گئے سینٹینٹ کرنیوں کی واپسی کے احکامات بھی جاری کر دیئے گئے تھے اس مرکزی چھٹی میں حق نواز کا نام بھی شامل تھا۔ قاعدے سے انہیں جنوری ۱۹۴۸ء کے شروع میں واپس آ جانا چاہیے تھا لیکن قضا و قدر کو تو کچھ اور ہی منظور تھا وہ واپس کیسے آتے۔

میجر دریا رڈ، محمد یعقوب صاحب کہتے ہیں:-

پنڈی کے مرکزی دفتر سے واپسی کے احکامات جاری ہو چکے تھے لیکن علاقے کے کمانڈر نے انہیں بطور خاص روک لیا۔ انہوں نے چیف آف آرمی اسٹاف سے کہا کشمیر کی صورت حال ٹھیک نہیں۔ لیا ویلی میں خاص طور پر سے دشمن نے زیادتی کی ہے اس کے نچاؤ کے عالم میں یہ افسر ضروری کارروائی کر سکتا ہے۔ لہذا اس کو اس محاذ پر رکھا جائے اس طرح کیانی لیا ویلی میں تعینات رہے۔

اپریل ۱۹۴۸ء میں کیانی چند روز کے لئے چھٹی آئے ان کے بال بچے منگلا میں ہی تھے ان سے ملے پھر جادہ میں اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسب معمول انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ گلے لگایا دعائیں دیں جب حق نواز چلنے لگے تو بولے۔

”بے جی دعا کریں کہ اس بار مجھے شہادت مل جائے“

شہادت سے چند روز پہلے وہ پنڈی میں اپنے پرانے دوست میجر سرور خان سے ملے جو اس وقت جی ایچ کیو میں تھے اس ملاقات کے بارے میں سرور خان لکھتے ہیں:-

۱۷ کی فائر بندی کے بعد وہ چند دنوں کی چھٹی آئے تھے پہلے تو اپنے ۶۵ کے ایس جے کے مربع پر نظر ڈالنے لائل پور گئے وہاں سے واپسی پر کیانی ایک رات میرے ہاں راولپنڈی ٹھہرے۔ رات کے کھانے کے بعد کیانی نے عشا کی نماز پڑھنا شروع کی اور اس روز کچھ زیادہ ہی لمبی کر دی جب خاصی دیر ہو گئی اور کیانی کے اعداد و اہل ختم ہونے کو نہ آئے تو میں نے کہا کیانی تھوڑی بہت نماز آئندہ کے لئے بھی باقی رکھو۔ تو کہنے لگے تم اپنے حال میں خوش رہو میں اپنے حال میں خوش ہوں۔ نماز کے بعد وہ میرے بستر پر آکر بیٹھ گئے اور کہنے لگے میں تم سے ایک مسئلے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ دشمن نے میری پلٹن کے ساتھ بہت غلط رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ میری ایک پوسٹ دشمن کے گھیرے میں ہے اس کو تنگ کیا جا رہا ہے میرے لئے یہ ناقابل برداشت ہے اس کا جواب نہ دینا اور پوسٹ کا تحفظ نہ کرنا بڑی بزدلی اور بے غیرتی ہے۔ میں دشمن کے جارحانہ رویئے کو خوب سمجھتا ہوں۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد دشمن شیر ہو گیا ہے اس کے جارحانہ اور سخت پڑے غرور انداز سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اب ہم اس کا مقابلہ کرنے کی سکت اور جرات نہیں رکھتے میں اسے اس کی اس غلط فہمی کا مزہ چکھانا چاہتا ہوں۔ بیرو باڑی کی پوسٹ ہمارے لئے وقار اور عزت کا مسئلہ بن گئی ہے۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ کیانی حسب معمول سخت جوش میں تھے میں نے صرف اتنا کہا آپ جو بھی قدم اٹھائیں ان حدود کے اندر رہ کر اٹھائیں جو آپ کے لئے متعین کر دی گئی ہیں۔

پھر کیانی نے اس رات اپنے گھر اور خاندان کی باتیں اور اس کے مسائل پر کھل کر باتیں کیں۔ یہ باتیں شورے سے زیادہ وصیت اور خواہش کی نوعیت رکھتی تھیں میں اسی وقت کھٹک گیا تھا کہ ان کا ارادہ اب کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ہے۔

اس ملاقات کے چند روز بعد کوئی دس بجے رات ان کا فون لیسپا کے دور دراز



دشوار گزار علاقے سر آیا موضوع وہی بیرو باڑی کی پوسٹ اور ہندوستانی کمانڈروں کی ہٹ دھرمی اس پوسٹ کی ناکہ بندی جاری تھی اور وہ اسے کھولنے کے درپے تھے۔ وہ کوئی بیس منٹ تک بولتے رہے۔ یہی وہ رات تھی جب وہ کفن باندھ چکے تھے۔ دوسرے دن ان کے برادر نسبتی پروفیسر سے ان کی شہادت کی خبر ملی۔

## کفن کا ٹکڑا

وادی لیا کے گاؤں کہناہ کے مدرسہ فیض الاسلام کے مہتمم مولوی نصر اللہ عثمان راوی ہیں کہ جس دن شہید ہوئے اس کے قبل کے جمعے کی نماز کیانی صاحب نے لیا کی مسجد میں پڑھی۔ نماز پڑھ کے لیا کے بازار سے گزرنے لگے تو ایک دکاندار حاجی شیر زمان کی دکان سے انہوں نے سفید لٹھے کا ایک ٹکڑا خریدا اور سر پر باندھ لیا۔ جو لوگ ساتھ تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ نعل صاحب یہ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میری آرزو ہے کہ مجھے شہادت نصیب ہو اور کپڑے کا یہ ٹکڑا میرا کفن بن جائے۔ آپ لوگ دعا کریں کہ میری یہ آرزو پوری ہو اور یہ بھی کہ جب تک میں چاک پترا سے ہندوؤں کو نکال نہ دوں۔ اللہ مجھے موت نہ دے۔

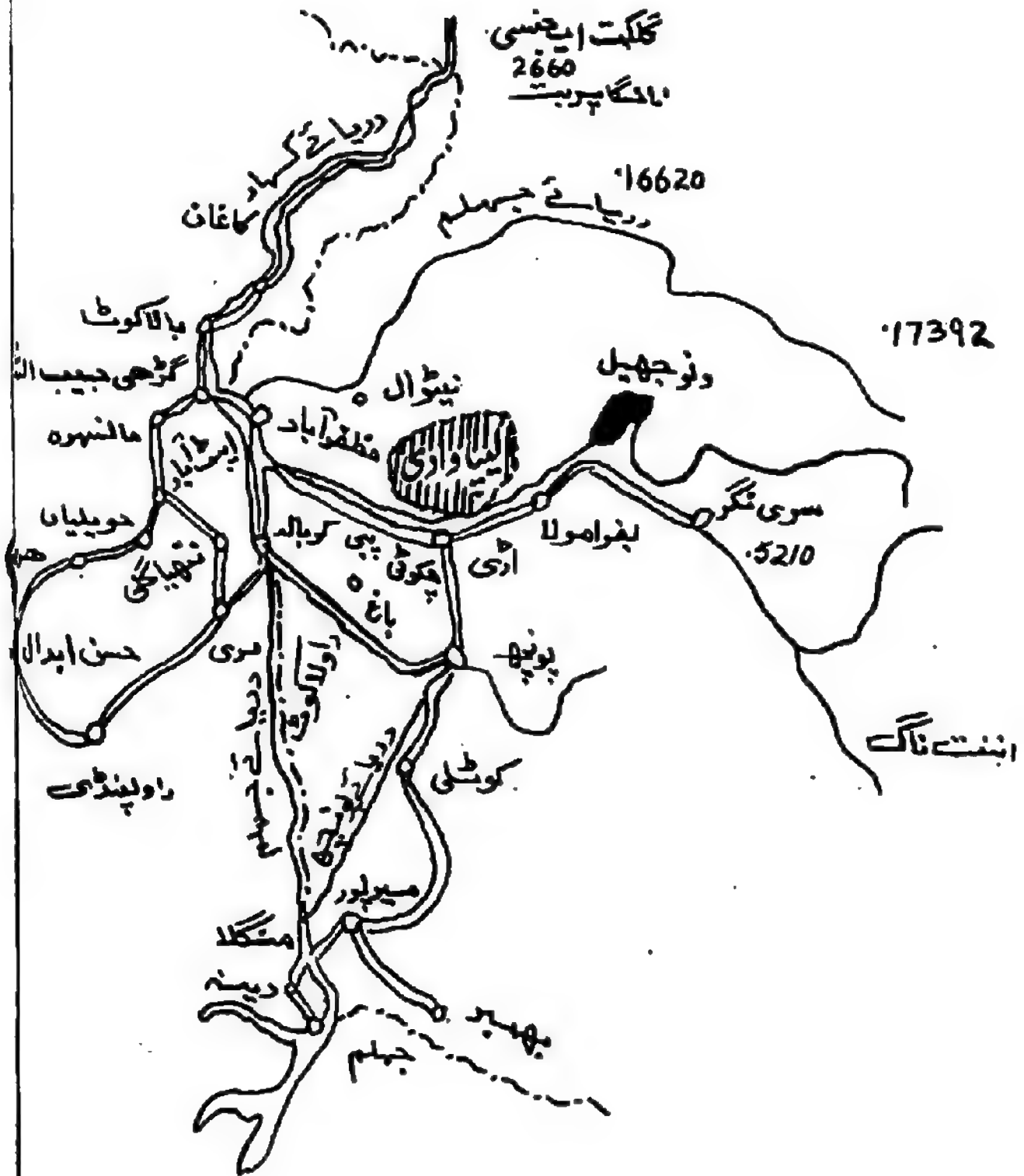
## لیپا ویلی کا محل وقوع

لیپا ویلی آزاد کشمیر کے جنوب مشرق میں واقع ہے اس کی بلندی ساڑھے چھ ہزار فٹ ہے اس کے سامنے شمشا بھری اور پیچھے کافر خانہ ریج ہے۔ دائیں طرف پڈوری اور پانڈو کی پہاڑیاں ہیں اور بائیں طرف چکوٹ گاؤں ہے جو مقبوضہ علاقے میں ہے اور ٹیٹوال سیکٹر سے صرف آٹھ میل دور ہے۔ ویلی کی لمبائی تقریباً سات میل اور چوڑائی

دو ہزار گز ہے۔ اس کے درمیان سے قاضی کھٹاناک کا نالہ تقریباً سارے سال چلتا ہے۔ کیانی ریح منڈل لیاگاؤں سے شمال مشرق کی طرف تقریباً پندرہ سو گز کے فاصلے پر واقع ہے جس کا ایک سلسلہ چک پترا اور شمشا بھری رینج سے جاملتا ہے۔ کیانی ریح کا سلسلہ ساڑھے سات ہزار فٹ سے شروع ہو کر تقریباً اڑھائی ہزار فٹ تک جاتا ہے کیانی ریح کا پرانا نام چائنا ریح ہے۔ کیانی ریح ہی کا اگلا حصہ چک پترا کے نام سے مشہور ہے جس کی اونچائی ساڑھے نو ہزار فٹ ہے۔

لیاویلی کے لوگ بہت غریب ہیں جن کا پیشہ محنت مزدوری اور معمولی کاشت کاری ہے یہاں صرف مکئی اور چاول کی کاشت ہوتی ہے چونکہ یہاں پانی کی کوئی کمی نہیں۔ یہاں کا چاول کشمیری چاول کہلاتا ہے بہت اچھا ہوتا ہے لیکن قابل کاشت زمین کی قلت کی وجہ سے مکئی اور چاول کی پیداوار کم ہوتی ہے جس سے بمشکل ان کا گزارہ ہوتا ہے۔ مکئی چاول جون میں بوتے ہیں اور مکئی ستمبر میں اور چاول اکتوبر میں کاٹتے ہیں۔ یہ لوگ جون سے لے کر نومبر تک کھانے پینے کا سامان اور جلانے کے لئے لکڑی اور مال مویشی بکریوں کے لئے گھاس وغیرہ جمع کرتے ہیں۔ نومبر سے فروری مارچ تک سارا علاقہ برف کی موٹی تہہ سے ڈھکا رہتا ہے۔

# سیپا ویلی کا نقشہ



1250 1000 750 500 250 150 100 50 20

مکیلے = ۱ اینچ = ۲۵ میل آر = ایف = ۱۵۸۴۰۰۰

## معرکہ لیپاویلی کا پس منظر

۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام دشمن نے لیپاویلی پر ٹیڑھال کی سمت سے حملہ کیا۔ سارے سات ہزار فٹ بلند پہاڑی پر جنگ ہوئی۔ دشمن نے پوری بٹالین سے حملہ کیا جسے صرف ایک کمپنی نے روکا۔ کمپنی کمانڈر میجر عزیز شہید ہو گئے۔ دشمن نے دوسرا حملہ سکھر رجمنٹ سے ایک اوڈ بلند پہاڑ توت مارگلی سے کیا یہاں ہمارے اسکاؤٹس تھے ان کی نفری کم تھی اور مازو سامان اس سے کم۔ چنانچہ دشمن حملے میں کامیاب رہا۔

۶ دسمبر ۱۹۷۱ء سے آزاد کشمیر کی ایک پلٹن نے جم کر مقابلہ شروع کیا۔ دشمن کا وار تمام دادی پر تو کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس نے کچھ پیش رفت کی۔ دشمن نے ہماری ایک پوزیشن بیڑوالی ناڑ کو گھیرے میں لے کر کمک اور سپلائی کے سارے راستے کاٹ دیئے۔ اس کے باوجود اس پوزیشن کے کمپنی کمانڈر میجر حبیب نے جی توڑ کر حملہ روکا۔ جب ۱۱ دسمبر کو فائر بندی ہوئی تو یہ پوزیشن گھیرے میں تھی۔ فائر بندی کے بعد بھی اس کی یہ حیثیت برقرار رہی۔ اس کے چاروں طرف کے پہاڑوں پر دشمن کی پوٹیس تھیں۔ بیڑوالی ناڑ تک سپلائی پہنچانے کے لئے صرف ایک راستہ تھا جو دراصل ایک ندی ہے۔ یہ راستہ آزاد کشمیر فورس کی تحویل میں تھا اور دوسرے دشمن کے زیر تصرف علاقے سے گزر کر بیڑوالی ناڑ تک پہنچاتی تھی۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۱ء سے یہ سلسلہ جاری تھا اور دشمن نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ۱۲ اپریل ۱۹۷۲ء کو دشمن نے بیڑوالی ناڑ پوسٹ کی سپلائی کا راستہ بند کر دیا۔ ندی کے دائیں بائیں پہاڑوں پر دشمن کا قبضہ تو تھا ہی۔

یہ سپلائی بند کرنا دشمن کا ایک اوجھا ہتھیار تھا اور سراسر انتقامی کارروائی۔



تفصیل اس کی یہ ہے کہ فائر بندی کی رات شمال میں ہمارے دستوں نے آگے بڑھ کر مقبوضہ کشمیر کے دو پہاڑوں گٹھی پتھرا اور کرسی ڈنہ پر قبضہ کر لیا۔ اسے جمو یا بلج کہتے ہیں۔ بلج پر قبضے سے دشمن کو یہ نقصان ہوا کہ اس کا جو بریگیڈ لیاواوی میں تھا دوسرے بریگیڈوں سے کٹ گیا اس کا قریب ترین سپلائی کا راستہ اور ٹیلی فون کے تاروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اپریل ۷۲ء کے آغاز میں دشمن نے پاکستانی کمانڈروں سے جمو یا بلج میں سے سپلائی یا پھر ٹیلی فون تار گزارنے کا راستہ مانگا جو ظاہر ہے نہیں دیا جاسکتا تھا کیونکہ یہ بریگیڈ تھا جیسے دشمن نے لیاواوی پر قبضہ کرنے کے لئے مورچہ بند کر رکھا تھا۔

یہ مطالبہ رد ہونے پر دشمن نے طاقت استعمال کرنے کا فیصلہ کیا، ۲۷ اپریل ۷۲ء کو دشمن نے جمو یا بلج کے دونوں اہم مقامات کرسی ڈنہ اور گٹھی پتھرا پر توپ خانے کی شدید گولہ باری شروع کر دی اور اس کی اوٹ میں پوری کمپنیوں سے ان پوزیشنوں پر حملہ کر دیا جہاں آزاد کشمیر فورس کی صرف ایک پلاٹون مورچہ بند تھی ہمارے جانبازوں نے نفری اور اسلحہ کم ہوتے ہوئے بھی دشمن کا بے جگری سے مقابلہ کیا۔ چنانچہ دشمن ایک سو بیس لاشیں چھوڑ کر پیا ہو گیا۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے دشمن نے ۲۷ اپریل کو بیرد والی ٹاؤن پوسٹ کی سپلائی کا راستہ بند کر دیا۔

دو دن تک پوسٹ تک نہ راشن پہنچ سکا ڈائیونیشن۔ ۲۹ اپریل ۷۲ء کو دونوں طرف کے مقامی کمانڈروں کی میٹنگ ہوئی۔ ادھر سے نمبر ۹ سکور جنٹ کا کمانڈنگ افسر چنگیا یا آیا ادھر سے کرنل کیانی گئے۔ کرنل چنگیا یا نے وہی پرانا مطالبہ دہرایا کہ انہیں جمو یا بلج میں سپلائی گزارنے کا راستہ دیا جائے۔ پھر دھمکی آمیز لہجے میں کہا بصورت دیگر وہ بیرد والی ٹاؤن کی سپلائی لائن بالکل بند کر دے گا حالانکہ ۷۲ ارب ستمبر سے یہ سپلائی لائن جاری تھی، کرنل کیانی نے کہا وہ اپنے سینیئر کمانڈر سے بات کریں گے۔ بھارتی کرنل نے کہا اچھا راشن بھیج دو ایونیشن

نہیں جاسکتا۔

راشن تو جانے لگا لیکن بھارتی افسروں اور جوانوں نے عاجز کرنے کا یہ طریقہ نکالا کہ انہوں نے راستے میں باقاعدہ چیک پوسٹ قائم کر لی اور سامان کی تلاشی کے یہاں حد درجہ تنگ کرنے لگے۔

تیسرے روز دیکھا گیا کہ سامنے تو ت مار گلی پہاڑ سے دشمن کی پوری ایک بٹالین اتہ کہ نیچے آ رہی ہے اس سے صاف ظاہر تھا کہ دشمن وادی میں جارجانہ عزائم رکھتا ہے۔

## کرنل حق نواز نے چیلنج قبول کر لیا

۲ مئی ۷۲ء کو دونوں مقامی کمانڈروں کی ایک اور میٹنگ ہوئی۔ ادھر سے لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید، میجر اشتیاق احمد راجہ اور میجر پار افضل افریدی گئے۔ ادھر سے کرنل چنگیا پآ آیا اور آتے ہی بڑے جارجانہ انداز سے کہنے لگا میرے بریگیڈ کمانڈر نے کہا ہے کہ آزاؤ کشمیر فورس بیرو والی ناڑ خالی کر دے یا جموہا بلج سے گئی پتھرا والی پوزیشن چھوڑ دے، ورنہ بیرو والی ناڑ کی سپلائی کا راستہ نہیں کھولا جائے گا۔ کرنل حق نواز، چنگیا پآ کے لب و لہجہ سے بھانپ گئے کہ ہندو انہیں چیلنج کر رہا ہے انہوں نے کرنل چنگیا پآ سے کہا ہم خود راستہ کھول لیں گے اور چیلنج قبول کر لیا۔ کرنل چنگیا پآ بولا۔ میری طرف سے فائدہ میں پہل نہیں ہوگی لیکن چنگیا پآ کی یہ یقین دہانی ایک فریب تھا اسی رات گیارہ بج کر پچیس منٹ پہ دشمن نے یسپا وادی میں تمام اگلی پوسٹوں پر بھاری توپخانے سے شدید گولہ باری شروع کر دی جو صبح تک جاری رہی۔ صبح سہ بجے دشمن نے نمبر ۴۴ بہار رجمنٹ سے بیرو والی ناڑ پر دو طرفہ حملہ کر دیا۔ اس پوسٹ پر اس وقت ایک پلاٹون تھی۔ اس کے کمانڈر کیپٹن جاوید انور نے بڑی جواں مردی اور ہوشیاری سے حملے کا مقابلہ کیا اور ڈیڑھ گھنٹے کے بعد دشمن کا حملہ پسپا کر دیا۔ دشمن

کامپنی کمانڈر میجر گنگولی مارا گیا۔ اپنے پانچ جوان شہید تین زخمی اور ایک قیدی ہوا۔ لیکن اس پوسٹ تک جانے کا راستہ دشمن نے پوری طرح سر بہر کر رکھا تھا چنانچہ وہاں سے نذرغیوں کو پیچھے لایا جاسکتا تھا نہ لاشوں کو۔ پوسٹ میں ایمنیشن ختم تھا۔ ۴ مئی کو دن کے وقت دشمن نے گولہ باری جاری رکھی لیکن حملہ نہ کیا۔ اب خطرہ یہ تھا دشمن کی ایک بٹالین جو توت گلی سے اترتی دیکھی گئی تھی رات کو بیرو والی ٹاڈ پر حملہ کرے گی۔

کرنل کیانی نے جوابی حملے کا پلان تیار کر لیا اور اپنے اعلیٰ افسروں کو صورت حال کی سنگینی سے آگاہ کیا۔ اعلیٰ کمان کی منظوری کے بعد کرنل حق نواز کیانی نے اپنے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے نہایت تیزی سے اقدامات کرنے شروع کر دیئے۔ جمعے کا دن ۴۔ ۵ مئی کی درمیانی شب ڈھائی بجے کا وقت مقرر کیا گیا۔ وہاں کوئی ریزورٹروپس نہیں تھے تمام دستے مختلف پہاڑیوں پر پوزیشن میں تھے۔ کوئی بھی پوزیشن چھوڑی نہیں جاسکتی تھی۔ حملے کے لئے نفری انہی کمپنیوں سے لینی تھی۔ ایک پلاٹون کے کمانڈر صوبیدار محمد صادق تھے۔ دوسری کے کمانڈر صوبیدار غلام محی الدین تھے۔ تیسری پلاٹون جو بٹالین کے چنے ہوئے کمانڈو جوانوں سے تیار کی گئی تھی اس کے پلاٹون کمانڈر صوبیدار محمد یوسف تھے۔ ایک کمپنی اسکاؤٹس کی لی گئی جس کے کمانڈر میجر یار افضل آفریدی تھے اور اس فورس کی کمان میجر محمد صابر خان کے سپرد کی گئی۔

حملے کے لئے توپ خانے کی امدادی گولہ باری لازمی تھی لیکن اس وقت اپنے توپخانے کی قوت بہت ناکافی تھی۔ بیٹری کی چار ہوائی توپیں تھیں اور صرف دو مارٹر گنیں بر وقت مزید کمک پہنچانا ناممکن تھا۔ اسی ناکافی نفری ساز و سامان کے ساتھ حملہ کرنا تھا۔ وقت ہمارے خلاف تھا۔ رات ڈھائی بجے کی گھڑی ہر دم قریب آ رہی تھی۔





۴۹۱۹۱۹۱۹۱۹



## معرکہ کی نوعیت

چک پترانامی پہاڑ کی دو میل لمبی چوٹی پر سکھ رجمنٹ کی دو کمپنیاں مضبوطی سے مورچہ بند تھیں۔ دشمن کی نفری بھی زیادہ تھی۔ توپ خانہ بھی بہت طاقتور تھا (ایک میڈیم بیٹری دو فیلڈ بیٹریاں ایک مارٹر بیٹری)، اس پر مستزاد پہاڑ کی بلندی اور ساخت تھی۔ دامن سے چوٹی تک چک پتر کی بلندی ساڑھے چار ہزار فٹ اور ساخت کے لحاظ سے چک پتر اعمدہ ہے (یعنی زمین سے بتدریج اوپر نہیں اٹھتا بلکہ سیدھا اوپر کو جاتا ہے)، اس چک پتر پر رات کی تاریکی میں خاموشی سے چڑھ کر حملہ کرنا تھا۔ یہ پہاڑ دشمن سے چھین لینے سے ہی بیرونی ناٹ پوسٹ محفوظ ہو سکتی تھی اور راستہ مل سکتا تھا اور دشمن کے چیلنج کا جواب دیا جاسکتا تھا۔

اس مختصر سی تفصیل سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ معرکہ جنگ کے کتابی اصولوں کے لحاظ سے تقریباً ایک ناممکن ایکشن تھا جس میں کامیابی کسی معجزہ سے ہی رونما ہو سکتی تھی۔ لیکن ۔

نگاہیں مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں  
چک پتر کے اس معرکے میں نگاہ مرد مومن کی تاثیر دنیائے دیکھ لی۔

## جہاد شروع ہوتا ہے

شام کے چھ بجے تک کرنل حق نواز کیانی نے ہم کے سربراہ اور کپینوں کے کمانڈروں سے صلاح مشورہ ختم کر کے جہاد میں شریک ہونے والے دستوں سے خطاب کیا۔

میرے بیٹو، میرے پیارے مجاہدو، آج وہ وقت آن پہنچا جس کے لئے ہماری

ماؤں نے ہمیں جنا تھا اور اپنا پاک دودھ پلا کر ہمیں پالا پوسا تھا۔ آج وہ وقت آن پہنچا جب ہم اسلام کی خاطر یہ ثابت کریں کہ بزرگوں کا خون ہماری رگوں میں رواں ہے۔ میرے غازیو آج وقت آن پہنچا جب ہم اسلام کی خاطر اور اس پاک وطن کی خاطر جو اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا سر دھڑکی بازی لگائیں گے۔ ہم مرجائیں گے ہم کٹ جائیں گے لیکن ہم اپنے پاک وطن پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ میرے شہیدو، تمہارا رب تمہاری رگ و جان سے بھی قریب ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ میرے اور تمہارے دلوں میں کیا ہے۔ رب کعبہ کی قسم گنبد خضرا کی قسم ہم اللہ کے نام پر اس کے رسول پاک کے نام پر لڑنے نکلے ہیں۔ ہمیں زمین کی ہوس ہے نہ مال کی ضرورت ہم صرف اسلام کی سربلندی کے لئے پاکستان کی سرفرازی کے لئے میدان کارزار میں اتر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے مجھے یقین ہے مجھے یقین ہے کہ کل صبح سورج طلوع ہوگا تو چمک پترا پہ پاکستان کا سبز جھنڈا چاند تارے والا لہرا رہا ہوگا۔ میرے مجاہدو میرے غازیو، میرے شہیدو، تمہارے راستے میں بارودی سرنگیں بھی بجھی ہوں گی۔ تار بھی تمہارا راستہ روکیں گے۔ میں نے اللہ کا کلام ان پر دم کر رکھا ہے اس کلام کی برکت سے یہ سرنگیں تمہارے لئے بے ضربین جائیں گی۔ انشاء اللہ تم بارودی سرنگوں میں گزرو گے اور یہ مائنز تمہارا راستہ نہیں روکیں گی۔ کوئی آواز پیدا نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ تم دشمن پر قہر بن کر نازل ہو جاؤ گے اور پھر کھارون اولیٰ کے مسلمان جب جہاد کے لئے نکلتے تھے تو کفن باندھ کے نکلتے تھے تو سب سے پہلے میں کفن باندھتا ہوں یہ کہہ کر کرنی حق توازنے جیب سے کفن کا اوپر والا حصہ نکالا اور سرے باندھ لیا۔ یہ دیکھ کر اس ہم کے کمانڈر میجر محمد صابر خان شہید نے جیب سے سفید رومال نکالا اور سرے پیٹ کر کہا اس رومال کو کفن سمجھا جائے۔ میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ کامیابی حاصل کروں گا یا شہید ہو جاؤں گا۔

دونوں افسروں کا سر پر کفن باندھنا تھا کہ جیسے مجاہدوں کے مجمع میں بجلی دوڑ گئی

جوش کے مارے نعرے سینوں سے اپنے آپ نکلنے لگے۔ ان مجاہدوں کے جوش و جذبے کی دہی کیفیت تھی جو کبھی طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم کے مجاہدوں کی ہوتی ہوگی۔ جوانوں کا لہو گرمانے کے بعد حق نواز کیانی نے اپنے کمانڈروں کو پھر بلایا۔ حملے کی تفصیلات پر پھر نظر ڈالی اور اللہ کا نام لے کر نہایت اطمینان سے اور ہوش کے ساتھ آپریشن کا پہلا مرحلہ شروع کر دیا گیا۔

دشمن آس پاس کے پہاڑوں پر مورچہ بند تھا حق نواز کیانی نے دشمن کو تعداد کا دھوکہ دینے کے لئے مختصرے دستوں کی نمائش اس طرح کی کہ دشمن بلندی سے انہیں دیکھ سکے اور ایک کے پانچ سمجھے۔

میر اشتیاق احمد راجہ چک پترا کے پہاڑ کے سامنے ایک اور پہاڑ پر مورچہ بند تھے جس کی بلندی ساڑھے آٹھ ہزار فٹ ہے انہیں ایک گشتی پارٹی بھیجنے کا حکم دیا گیا اور ایک پہاڑ پر میجر خیرات حسین تمنہ جرات کی پوزیشن تھی۔ ان سے کہا گیا کہ دشمن پر فائر کریں تاکہ دشمن کی توجہ ہٹ جائے۔

رات آٹھ بجے چک پترا پر حملہ کرنے والے دستوں نے پیش قدمی شروع کی۔ چک پترا کے دامن سے چوٹی ساڑھے چار ہزار فٹ بلند ہے اور اس کی چوٹی کی لمبائی دو میل سے زیادہ ہے اس کی چڑھائی تقریباً عمودی ہے۔ سیدھی چٹانیں حائل ہیں۔ اس پہاڑ پر چڑھنا اس لئے بھی مشکل ہے کہ اس پہاڑ کی اس سمت درخت بہت ہی کم ہیں کچھ جھاڑیاں ہیں وہ بھی چھوٹی چھوٹی اور دور دور۔

کرنل حق نواز کیانی اور توپخانے کے بیٹری کمانڈر میجر غلام احمد چک پترا پہاڑ سے ذرا پیچھے ایک پہاڑی چانیاں راج پر چلے گئے تھے۔ یہ ان کی کمانڈ پوسٹ تھی۔ ان کا ملاپ حملہ آور دستوں اور توپ خانے سے تھا اور وہ اس ایکشن کو کنٹرول کر رہے تھے وہ ایسی جگہ



تھے جہاں سے انہیں چک پترا اور اس کے دائیں بائیں کی چٹانیں نظر آتی تھیں۔

حملہ خاموشی سے کرنا تھا تاکہ دشمن کو بے خبری میں جالیا جائے۔ میجر صاحب خان کی کمان میں حملہ آور دستے چک پترا کے دامن تک جا پہنچے۔ خاموشی کو برقرار رکھا گیا تھا جس کا ثبوت یہ تھا کہ دشمن نے کسی طرف کوئی حرکت نہیں کی۔ جوان بکھر کر پہاڑ پر چڑھنے لگے چڑھائی سیدھی تھی وہ جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر پیٹ کے بل ریگ ریگ کے ایک ایک اونچ اور پر چڑھنے لگے ہر اونچ پر بارودی سرنگ پٹھے کا خطرہ تھا اور نیز بھی چڑھنا تھا اور خاموشی بھی برقرار رکھنا تھی۔ جوان رائفلوں، اسٹین گنوں اور مشین گنوں کو اس احتیاط سے اپنے جسموں سے لگانے ہوئے تھے کہ وہ پتھروں سے ٹکر اگر آواز پیدا نہ کریں جو ان ایک ہزار فٹ کی بلندی چڑھے ہوں گے کہ ۸۰ جوان لاپتہ ہو گئے۔ ان کے بھٹک جانے کی وجہ سے حملے کے پلان میں کچھ تبدیلی کرنا پڑی اور کچھ قیمتی وقت بھی ضائع ہو گیا لیکن کرنل حق نواز کیانی کی ہدایت پر حملہ جاری رکھا گیا۔ البتہ لاپتہ سکاؤٹس کی جگہ لینے کے لئے چک پترا پہاڑ کی ایک تہریبی پوسٹ ۸ ہزار فٹ بلند پر متعین میجر جمشید گلزار کی کپنی سے مزید دو پلاٹوں کے نیچے اتر کر حملہ آور دستوں میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔ ان دستوں کو تین ہزار فٹ نیچے اتر کر بغیر دم لئے ساڑھے چار ہزار فٹ اور پر چڑھنا تھا۔

مجاہد چک پترا پر چڑھ نہیں رہے تھے بلکہ ریگ رہے تھے جب وہ دو ہزار فٹ تک پہنچے تو عمودی چٹانوں نے ان کا استقبال کیا جو ان ہمت کر کے ان پر کدہ پیاؤں کی طرح چڑھنے لگے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا۔ صبح سے پہلے چوٹی پر چڑھنا تھا۔ ڈھلان کی دشواریوں کے ساتھ آکسیجن کی کمی نے چڑھنا اور دشوار کر دیا تھا۔ ابھی تک کوئی بارودی سرنگ نہیں پھٹی تھی۔ حالانکہ جوان مائن فیلڈ میں سے گزر رہے تھے اس مہم میں شریک میجر یار افضل آفریدی نے ہمیں بتایا کہ اس ڈھلان

میں دشمن نے بارودی سرنگوں کا جال بچھایا ہوا تھا لیکن وہ جو کرنل کیانی شہید نے کہا ہوا تھا کہ تم مائن فیلڈ سے گزر جاؤ گے انشاء اللہ کوئی مائن نہیں پھٹے گی۔ رات کی اس تاریکی میں اتنی ہلکے سے دوڑنے کے باوجود واقعی کوئی سرنگ نہیں پھٹی۔ آخر کار نور کے تڑکے میں چوٹی نظر آنے لگی جو جوان رات کے آٹھ بجے روانہ ہوئے تھے سحر کے ساڑھے تین بجے اپنے نشانے سے قریب ہوئے لیکن اب بھی دو سو گز آگے جانا تھا۔ ان کے جسم شل ہو چکے تھے بس وہ اپنے حوصلے سے آگے بڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک جوان کے پھسنے سے ہتھیار پھروں سے ٹکرائے ایک چھنکا ہوا۔ دشمن کا اگلا مورچہ قریب ہی تھا۔ اس مورچے کی مشین گن نے پہلا فائر کیا تو آس پاس کی مورچوں کی گنوں نے بھی اپنا فائر کھول دیا۔ ہمارے جوان دشمن کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس لئے گنر مجاہدوں کی متوقع موجودگی کی طرف اپنی گنوں کی نایاں گھما گھما کر فائر کر رہے تھے۔ اس سوئینگ فائر سے ہر طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ ساتھ ہی دشمن کے توپخانے نے گولہ باری شروع کر دی۔ توپ کے گولے ان ڈھلانوں پر پڑ رہے تھے جہاں ہمارے جانباز پوزیشن لئے دشمن کے بنکروں کی طرف رینگ رینگ کر اوپر چڑھ رہے تھے۔ عجیب قیامت کا سماں تھا۔ ہر طرف گولے چل رہے تھے اور ان کے پھٹنے سے دیو دار کے درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور ان میں آگ لگ رہی تھی۔ اس آتش نمرود میں بھی پاکستان کے یہ جیالے، یہ جانباز آگے بڑھتے رہے۔ میجر یار افضل آفریدی نے منصوبے کے مطابق اپنے جوان ساتھ لے کر پہاڑ کی اس طرف والی ڈھلان پر اپنی پوزیشن سنبھال لی جس طرف سے دشمن کو نیچے سے لکک بھیجی جاسکتی تھی میجر آفریدی نے لکک کا راستہ سر بہر کر دیا۔

میجر محمد صابر خان حملے کی قیادت کر رہے تھے۔ انہوں نے چارج کا حکم دے دیا اور پاکستانی مجاہد شاہینوں کی طرح درختوں کی آڑ میں اپنے دشمن پر جھپٹ رہے ابھی سحر کی

تاریکی تھی۔ مین گن کے فائر کے شرارے دشمن کی پوزیشنوں کی نشاندہی کر رہے تھے جب جو ان اور آگے گئے تو دشمن نے ان پر گرنیڈ پھینکنے شروع کر دیئے۔ ہمارے جوانوں نے درختوں کی اڑے کر راکٹ لانچر کا فائر کھول دیا اور گرنیڈ بھی پھینکنے لگے۔ اب جو معرکہ لڑا جا رہا تھا وہ ذاتی شجاعت کا معرکہ تھا۔ ہر ایک جوان اپنی اپنی جنگ لڑ رہا تھا۔ مجاہد شہید اور زخمی ہو رہے تھے لیکن حملے کی شدت میں کمی نہیں آتی تھی۔ اپنا توپ خانہ بھی برسرِ کار تھا۔ ہمارے جوان بنکروں کے قریب جا جا کر اندر گرنیڈ پھینک رہے تھے اور راکٹ لانچر اپنا کام کر رہے تھے راکٹ لانچر ٹینک شکن ہے یہاں اسے بھی استعمال کیا گیا، پاکستانی مجاہدوں کی بے جگری نے دشمن پر دہشت طاری کر دی اور نمبر و سکور رجسٹر کے سورما میدان چھوڑ کر پسا ہونے لگے جو سامنے تھے ان کا قلع قمع کر دیا گیا۔ جو پہاڑ کی دوسری طرف ڈھلان سے بھاگے وہ اپنی سرنگوں میں ڈھیر ہو گئے۔ ساڑھے چار بجے تک چک پترا کی دواڑھائی میل لمبی چوٹی کا پہلا حصہ لے لیا گیا۔ یہ پلان کا پہلا مرحلہ تھا۔

اب معرکے کا دوسرا حصہ شروع ہوا جو پہلے مرحلے سے دشوار تر تھا اپنی نفری شہیدوں اور زخمیوں کی وجہ سے کم ہو گئی تھی جو مجاہد بچے تھے وہ حد درجہ تھک چکے تھے لیکن اس کے باوجود وہ عقابوں کی جھپٹ رہے تھے اور شہروں کی طرح حملہ کر رہے تھے وہ عام انسان نہیں رہے تھے وہ ایک غیر فزائی قوت کے سہارے غیر معمولی قوت و جرات کا مظاہرہ کر رہے تھے حق نواز نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ آگے پہاڑ کی چوٹی اور بلندی تھی یعنی آگے ٹیکری تھی اس میں بنی ہوئی پوزیشنیں بنکروں کی طرح مضبوط تھیں۔ سامنے بارودی سرنگیں بچھی ہوئی تھیں ان کے پیچھے خاردار تار تھا۔ بظاہر ان رکاوٹوں کو عبور کرنا محال تھا لیکن ہمارے مجاہدوں نے اس محال کو ممکن کر دکھایا۔ اب دن کی روشنی پھیلنے لگی تھی دونوں طرف سے شدید گولہ باری ہو رہی تھی دشمن کے جو مورچے بہت مضبوط تھے۔ ان پر راکٹ

لانچر فائر کئے گئے اور گرنڈ بھی پھینکے گئے۔ اس مرحلے میں ارض پاک کے شاہینوں اور مجاہدوں نے غیر معمولی شجاعت کا ثبوت دیا۔ دشمن گنوں کا برسٹ کھاتے رہے لیکن مورچوں کو تباہ کر کے چھوڑا۔ شہیدوں اور زخمیوں کی تعداد بڑھتی گئی لیکن جو جوان اور افسر بچے تھے وہ آخری سانس اور آخری گولی تک لڑنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے جن لوگوں نے ان کو لڑتے دیکھا وہ کہتے ہیں کہ پاک وطن کے جیالے انسان نہیں جن نظر آتے تھے۔

ساڑھے چھ بجے یہ دوسرا مرحلہ بھی سر ہو گیا چک پترا کی پولیس اب پاک فوج کے جوانوں کے قبضے میں تھیں؟ سکھر رجمنٹ نیست و نابود ہو چکی تھی۔ دشمن کی لاشیں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں۔ کرنل چنگیا پا اور اس کے اعلیٰ افسروں کا غور خاک میں مل چکا تھا۔ لیکن اس معرکے کا آخری منظر میں قدرت کو کچھ اور دکھانا تھا۔ اس معرکے کے ہیرو اور کمانڈر اعلیٰ کرنل حق نواز چانیاں رنج چٹان کی کمانڈ پوزیشن سے اس آپریشن کی رہنمائی کر رہے تھے اور تو پرخانے کے میجر غلام احمد کے تعاون سے ضروری فائر کور دے رہے تھے جب انہیں چک پترا کی چوٹی سے وائر لیس پر مشن پورا ہونے کی خبر ملی تو وہ سجدہ شکر بجالائے اور اپنی پارٹی کے ساتھ پوزیشن سے باہر آ گئے اور کھلے میں اگر صورت حال کا جائزہ لینے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے توپ خانے کے اوپی نے انہیں دیکھ لیا چند لمحے بعد میڈیم گن کا ایک بھاری گولہ ان کے درمیان آ کے پھٹا جس سے کرنل نواز کیانی اور ان کے چند اور ساتھی شہید ہو گئے۔

شہادت کے وقت کرنل کیانی کے سر پر کفن بندھا ہوا تھا اور کفن میں وہ خوشحوا ب بھی بسی تھی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی۔ یوں اللہ کا جاثار بندہ معطر کفن میں اللہ کے حضور حاضر ہو گیا۔ شہادت کی اسے مدتوں سے آرزو تھی۔ اللہ نے اسے اس سعادت خاص سے نوازا۔



لیپا ویلی معرکے کے یہ روئداد مشہور جنگی وقائع نگار عنایت اللہ کی ترتیب دی ہوئی ہے جو انہوں نے معرکے کے بعد لیپا جا کروہاں پر موجود افسروں اور جوانوں کے بیانات سے مرتب کی ہے۔ خوش قسمتی سے اس معرکے کے ایک مجاہد اور غازی میجر یار افضل آفریدی (جو ملٹری کالج کے اولڈ بوائے بھی ہیں) سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئی۔ ہم نے میجر یار افضل سے کہا کہ وہ لیپا ویلی ایکشن کا آنکھوں دیکھا حال ہمیں لکھ کر بھیجیں۔ یار افضل کا یہ جواب آیا۔

دسمبر ۱۹۴۱ء میں، ٹوچی اسکاؤٹس کی ایک کمپنی کیپان نامی چٹان پر تعینات تھی جب جنگ چھڑی تو دشمن نے اس کمپنی کی پوزیشن کو مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا اور پوائنٹ ۱۰۴۲ کی چوکی اور چک پترا پہاڑی پر بھی قبضہ کر لیا۔ فائر بندی کا اعلان ہونے کے بعد دشمن پہاڑیوں کے دامن تک نیچے اتر آیا اور اپنی کمپنی کی پوزیشن اس طرح گھیرے میں آگئی۔

دشمن نے کمپنی کی سپلائی لائن کاٹ دی یہ حرکت انہوں نے فائر بندی کے اعلان کے بعد کی جو سراسر غلط اور ناجائز بات تھی۔ دشمن کو تینہہ کی گئی کہ اسنے فائر بندی کی خلاف ورزی کی ہے لیکن دشمن نے یہ ماننے سے انکار کر دیا بلکہ اٹایہ دعوئے کر دیا کہ یہ پوزیشن تو فائر بندی سے قبل اس کے قبضے میں تھی۔ اپریل ۱۹۴۲ء میں لیپا ویلی میں تعینات ٹوچی اسکاؤٹس کے ایک اور دستہ نے لی جس کی کمان میجر یار افضل آفریدی کر رہے تھے گھیری ہوئی کمپنی کے سپاہی بھی رات کی تاریکی میں تبدیل ہو گئے۔ اس کمپنی کے سٹے کمانڈر ایف ایف رجمنٹ کے کیپٹن جاوید انور ستارہ جرات تھے۔ اپریل ۱۹۴۲ء میں دشمن نے گھری ہوئی کمپنی اور دستہ ہیڈ کوارٹر کے درمیان مواصلاتی رشتہ درہم برہم کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ گھیری ہوئی کمپنی کو ہر قسم کی سپلائی بند کر دی۔ ہندوستانیوں کی دلیل یہ تھی کہ پاکستانی فوج نے لیپا اور داتا پہاڑی کے درمیان ایک چوکی پر قبضہ کر لیا ہے اس مسئلہ پر دونوں

کمانڈروں میں مذاکرات شروع ہوئے۔ پاکستانی فوج کی نمائندگی لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی ایس جے اور میجر یار افضل افریدی کر رہے تھے۔ ہندوستان کی طرف سے لیفٹیننٹ کرنل چنگیا یا اور میجر بالورام شریک گفتگو تھے۔ یکم مئی ۱۹۷۲ء کو مذاکرات تعطل کا شکار ہو گئے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکا۔ ہندوستانیوں نے اسکاؤٹس کے کمپنی کمانڈر کے واسطے سے پیغام بھیجا کہ ۲ مئی ۱۹۷۲ء کو مذاکرات کا ایک اور دور ہونا چاہیئے چونکہ کوئی تجاویز نہیں پیش کی گئیں تھیں اور پاکستانی تجاویز حتمی تھیں اس لئے مذاکرات کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کے بعد ہندوستانیوں کا ایک اور پیغام آیا کہ وہ ۳ مئی کو علاقے کے پاکستانی کمانڈر کو اطلاع دیں گے کہ پہلائی کا راستہ کھولنے نہ کھولنے کے بارے میں ان کا فیصلہ کیا ہے۔ مقرر وقت اور جگہ پر ہندوستانیوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ نہ صرف بلکہ نہایت عیاری سے انہوں نے ۳ اور ۴ مئی کی درمیانی شب کو اسلحہ ۴ منٹ پر اسکاؤٹس کمپنی پر تین طرف سے حملہ کر دیا۔ اس حملے کو کامیابی سے پسپا کر دیا گیا۔ پونے تین بجے رات کو ہندوستانیوں نے دوسرا حملہ کیا جس کو اسکاؤٹس کی کمپنی اور ۹۔۱۷ کے رجمنٹ کی نمبرا پلاٹون نے بڑی پامردی سے پسپا کر دیا۔ تیسرا اور آخری ہندوستانی حملہ ساڑھے چار بجے شروع ہوا۔ اسے بھی کامیابی سے الٹ دیا گیا۔ ہندوستانیوں کا شدید جانی نقصان ہوا۔ اس جھڑپ میں پانچ پاکستانی شہید اور تین زخمی ہوئے۔ ایک قیدی بنالیا گیا تھا جس کو ہندوستانیوں نے بعد کو بے رحمی سے شہید کر دیا۔

## لیپا ویلی کا معرکہ

۴ مئی ۱۹۷۲ء کو لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی تارہ جرات نے اسکاؤٹس کے ونگ کمانڈر میجر یار افضل افریدی اور میجر صابر حسین تارہ جرات (شہید) کو اپنی کمانڈ پوسٹ

میں میٹر کے لئے واقعات پر غور کرنے کے لئے بلایا۔ اس موقع پر میٹری کمانڈر میجر غلام محمد شہید بھی موجود تھے۔ اس میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ چک پترہ پہاڑی پر ہر قیمت پر قبضہ کیا جائے تاکہ اپنی گھری ہوئی کمپنی پر سے دباؤ کم ہو جائے اور موصلاتی نظام بھی بغیر مزید رکاوٹ کے بحال ہو جائے۔ لینٹینٹ جنرل مجید ملک نے بھی اس علاقہ کا معائنہ کیا اور ریگی کے مقاصد کے لئے اپنا ہیلی کاپٹر استعمال کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ اس ریگی کے بعد لینٹینٹ کرنل حق نواز کیانی نے دوسرے دو انسروں کے سامنے حملے کے منصوبہ پر جنرل مجید سے صلاح مشورہ کیا۔ جنرل مجید نے منصوبے کی منظوری دے دی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس حملے کے لئے ٹروپ کہاں سے آئیں۔ چک پترہ چوکی پر دو ہندوستانی کمپنیاں موجود تھیں اس لئے مجبوراً یہ فیصلہ کیا گیا کہ کم نفری کی دو کمپنیوں ہی سے حملہ کیا جائے۔ ۱۔ اے کے رجمنٹ کی کمپنی جس کی کمان میجر صابر حسین شہید ستارہ جرات کر رہے تھے۔ اس میں کل ۸۲ آدمی تھے اور میجر یار افضل کی زیر کمان ٹوچی اسکاؤٹس کی کمپنی کل ۸۵ افراد پر مشتمل تھی۔

کرنل حق نواز کیانی نے سب کو جمع کیا اور انتہائی جوش و خروش سے ایک دلولہ انگیز تقریر کی۔ یہ کوئی معمولی تقریر نہیں تھی۔ اس لفظ لفظ میں آگ بھری ہوئی تھی ہر لفظ کرنل کے دل کی انتہائی گہرائیوں سے نکل رہا تھا ہر شخص انتہائی متاثر ہوا۔ لیکچر کے بعد ہر شخص کا چہرہ جوش و جذبے سے بھرا ہوا تھا اور صاف نظر آ رہا تھا کہ اب یہ مجاہد کوئی غیر معمولی کارنامہ کر کے ہی دکھائیں گے۔

اب ایکشن شروع ہوا پہلے مرحلے میں کچھ ٹروپس کو حملے کی مقررہ جگہ سے الٹی طرف بھیجا گیا اور ایک خفیہ راستے سے وہ دستے اسی جگہ واپس آ جاتے۔ یہ عمل تین چار بار دہرایا گیا۔ منصوبہ کرنل حق نواز کیانی ستارہ جرات کا بنا یا ہوا تھا۔ اس فوجی چال سے

دشمن دھوکہ کھا گیا ورنہ غیر متوقع حملہ کرنے کا مقصد پورا نہ ہو سکتا۔

۴۔ مئی کی رات ساڑھے گیارہ بجے دستے اپنی منزل یعنی چک پترا اور ہرن والی بیکھ کی طرف حرکت کرنے لگے۔ یہ دستے ایف یو پی (مجمع ہونے کی جگہ) پر ۵۔ مئی کی صبح چار بجے پہنچ گئے۔ ساڑھے چار بجے حملہ شروع ہوا۔ حملہ اتنا جرات مندانہ اور سخت تھا کہ ۳۔ منٹ کے اندر اندر مقصد حاصل کر لیا گیا۔ ہندوستانیوں کا شدید نقصان ہوا لیکن صرف دس پاکستانی شہید ہوئے اور تین زخمی۔ گویا پاکستانی فوجی بارودی سرنگوں سے بھی گزرے لیکن یہ نتیجہ کرنل حق نواز کی منصوبہ بندی اور دعاؤں کا تھا کہ کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

آپریشن شروع کرنے سے پہلے کرنل حق نواز ستارہ جرات نے کہا تھا۔

میرے پیارے بیٹو! آج دشمن کو بتا دو کہ مسلمان قوم شکست کے نام سے ناواقف ہے اور آج بھی جب وہ جذبہ اسلام سے سرشار ہو کر لڑتا ہے تو پہاڑ بھی اس کے سامنے زمین بوس ہو جاتا ہے۔ جاؤ میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ جب تم مائن فیلڈ سے گزرو گے تو اسے بھی تم اپنا دوست پاؤ گے۔ ہندو نہ تم کو دیکھ سکیں گے اور نہ تمہاری آواز سن سکیں گے۔

اب بظاہر ناممکن نظر آتا ہے لیکن نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں بالکل صحیح ہے اس میں مجھے ذرا برابر شک نہیں۔ میں نے ایسا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ناممکن میرے سامنے ممکن ہوا۔ جو کچھ انہوں نے بچے دل سے بچے یقین کے ساتھ کہا تھا۔ بعینہ وہی ہوا۔ میں اس وقت بھی حیران ہوا تھا اور آج بھی حیران ہوں میں سمجھتا ہوں۔ حق نواز غیر معمولی روحانی قوتوں کے حامل بھی تھے۔ یا کم از کم ان کا ایمان ضرور صادق تھا۔



۵۔ مئی کی صبح سات بجے دشمن نے جوابی حملہ کیا لیکن اسلام کے بہادر سپاہیوں نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ سات بجے کرنل حق نواز نے اپنے دستوں کو وارنریس پر بتایا کہ وہ اگلے مورچوں پر ان سے آ کے مل رہے ہیں چونکہ ۵۔ مئی کو جمعے کا دن تھا۔ انہوں نے جوانوں کو بتایا کہ فتح کی ہوئی چوکی پر جمعے کی نماز وہ خود پڑھائیں گے لیکن ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی کہ چند منٹ بعد ایک گولہ ٹھیک اس جگہ آ کے گرا جہاں وہ کھڑے تھے اور دیکھتے دیکھتے وہ شہید ہو گئے۔ اس وقت سات بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔

کرنل حق نواز کی شہادت کی خبر مجاہدوں پر بجلی بن کر گری لیکن شہید کے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے وہ بھرے ہوئے شیروں کی طرح دشمن پر بھپٹ پڑے اس کے بعد دشمن ہر مورچے سے فساد ہونے لگا۔ ۶۔ مئی کو اسکاؤٹس کی کمپنی کا سپلائی راستہ کھول دیا گیا۔ پھر لیاپور پر پاکستانی فوج کی پوزیشن مستحکم ہو گئی۔

لیپاویلی کے معرکے سے پوری آرمی کا حوصلہ بند ہو گیا۔ پوری قوم نے اس پرفخر کا اظہار کیا۔ ہندوستان میں ۹۳ ہزار اسیران جنگ کے سرفخر سے اونچے ہو گئے۔

## دوسرا ستارہ جرات

لیپا آپریشن کی کامیاب قیادت اور جرات اور جذبہ سرفروشی کے لئے حق نواز شہید کو دوسری بار ستارہ جرات دیا گیا۔

حق نواز درویش صفت انسان تھے ایمان میں وہ حق الیقین کے درجے تک پہنچے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔  
 اُمّت ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ  
 ظلم و کارِ آفریں، کارِ کش، کار ساز

## حق نواز کیانی کے آخری لمحوں کی روئیداد

راج محمد مجاہدؒ ۶۵ء سے کرنل حق نواز کیانی کے ساتھ جان و دل سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ زندگی کے آخری لمحوں میں بھی یہ ان کی خدمت میں حاضر تھے، راج محمد کا نژاد ٹوٹھوڑی سی لفظی تبدیلی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

سوال : آپ کو کرنل کیانی کے آخری لمحوں کی تفصیلات یاد ہیں؟

جواب : ایک ایک حرف دل پر نقش ہے۔

سوال : ۴ مئی ۱۹۷۱ء کی صبح سے دوسری صبح تک کے واقعات کی تفصیلات

بتائیے۔

جواب : ۴ مئی ۱۹۷۱ء کو دن کے دس بجے سب لوگوں کو کمر کوٹ کیمپ میں جمع کیا جن میں سب افسر اور مجاہد شامل تھے۔ کرنل صاحب نے کفن باندھ کر بہت جوش کی باتیں کیں۔ ہندو نے ہمیں لٹکارا ہے، پاکستان کی عزت و غیرت کو لٹکارا ہے، اس کا جواب ہم ضرور دیں گے۔ آپ سب دعا کریں کہ خدا ہمیں قربانی دینے کی سمیت دے، اور ہماری قربانی قبول کر لے، پھر جوانوں سے کہا، آپ چوکس رہیں اور چاند بجے شام بہک تیار ہو جائیں یہ کہہ کر جوانوں کو رخصت کر دیا اور افسروں کے میس کی طرف چلے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیجا کہ راج محمد مجاہد کو بلا لاؤ۔ میں گیا تو صوبیدار میجر شیر عظیم خان اور دوسرے افسروں کی موجودگی میں کہا۔ اللہ تعالیٰ سے میں نے کل تک ہمت مانگی ہے۔ پوسٹ کو آزاد کرانے تک کی۔ اللہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ پھر مجھے گلے لگایا مصافحہ کیا اور کہا میں تم سے بہت خوش ہوں۔ پھر سب افسروں سے کہا کہ اس مجاہد نے پاکستان کی خاطر اپنا گھر بار پھوڑا اور بہت قربانیاں دی ہیں۔ یہ لڑکا ۶۵ء سے میرے ساتھ ہے اور بڑی

خدمت کی ہے۔ اب میرا وقت ختم ہو رہا ہے۔ مجھے کل تک کی مہلت ملی ہے۔ میرے بعد آپ لوگ اس کی دیکھ بھال کریں۔ یہ سن کر صوبیدار میجر شیراعظم خان نے کہا سرایہ آپ نے کیسے کہا کہ میری کل تک کی زندگی ہے، موت زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کرنل صاحب نے جواب دیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے بیرو باڑی پوسٹ کو آزاد کرانا ہے اور شہید ہو جانا ہے۔ بس مجھے اس بھارتی کرنیل کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھانا ہے آپ کو معلوم ہے کہ کل اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا میں جیسور سیکٹر سے لڑ کر آیا ہوں اور تمہارے جرنیلوں کو قید کیا ہے۔ تم کیا چیز ہو، ایک یونٹ کے ریٹائر کرنل، یہ پاکستان کی عزت کا معاملہ ہے اس بے عزتی کا بدلہ ضرور لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔

یہ ایک بجے دن کی بات ہے اس کے بعد کرنل صاحب نماز پڑھنے چلے گئے میں کے قریب کمائی پوسٹ تھی۔ اس کے قریب چھوٹی سی مسجد ستھروں سے بنا رکھی تھی۔ کرنیل صاحب نے مسجد کی دیوار کے ساتھ چند پتھر اٹھا کے رکھے اور کہا یہ ظہر کی آخری نماز ہے۔

کرنیل صاحب نے شام تک عام جوانوں کو نہیں بتایا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ سات بجے شام کے قریب کرنل صاحب نے صوبیدار میجر شیراعظم کو بلایا اور سات آدمیوں کو ریگی کے لئے بھیجا۔ ۲۔ چک پترا پیاری پر۔ ۳۔ کتان پر ایک گبر ڈوری پر مجھے (راج محمد) اور مصری خان کو چک پترا بھیجا۔ ہم نے چک پترا کے کچھ فاصلے پر دو آدمی دیکھے جو ادھر سے ریگی کرتے آئے تھے ان میں ایک کشمیری طیب شاہ تھا اس کو ہم نے پکڑ کر باندھ دیا دوسرا سکھ نایک جو گندرسنگھ تھا وارلیس مین۔ اس نے مقابلہ کیا۔ سٹھی بند کر کے کہنے لگا کہ یہ ہاتھ اونچا ہی رہے گا، مصری خان نے فائر کیا اس کی آنکھ میں پھرا لگا گر پڑا لیکن بڑی مشکل سے قابو آیا۔ ہم نے اس کو قید کر لیا اس سے بعد میں بہت مفید خفیہ معلومات حاصل ہوئیں ہم دونوں کو کھینچ کر اپنے ہیڈ کوارٹر تک لے گئے تھے کوئی نو بجے تھے رات کے۔

ہمارے آدمی حملے کے لئے روانہ ہو گئے تھے کرنل صاحب کمان پوسٹ جو چانیاں پہاڑی پر تھی چلے گئے ان کے ساتھ توپ خانے کے ادنیٰ میجر غلام احمد تھے اور سگنل کا ایک ادا بھی موجود تھا۔ میں چانیاں پوسٹ پر کرنل صاحب کے پاس پہنچا۔ انہوں نے پوچھا تو میں نے اپنی ریکی کے شکار کا حال ان کو بتایا۔ کرنل صاحب نے کہا دو گھنٹے آرام کر لیں۔ کچھ دیر بعد پھر آپ کو ایک اہم مشن پر بھیجا ہے۔ میں گیارہ بجے کرنل صاحب کے سامنے حاضر ہو گیا کہنے لگے۔ اب یہیں رہیں میرا وقت تھوڑا ہے اس وقت کچھ میجر صابر صاحب سے وار لیں پر بات ہوئی۔ انہوں نے کہا اب گولے ٹھیک آرہے ہیں، میجر غلام محمد نے کہا آپ جبکہ بتائیں ہم انچ اور فٹ کے حساب سے گولے گرا سکتے ہیں کرنل صاحب نے میجر صاحب سے جو حملے کی کمان کر رہے تھے کہا آپ جوائن کو آگے بڑھنے دیں انشاء اللہ ان پر کوئی بارودی سرنگ کام نہیں کرے گی۔

صبح ہوتے ہوتے چک پترا فتح ہو گیا تو کرنل صاحب نے شکر ادا کیا اور کہا اب میرا کام اور وقت ختم ہو گیا (بعد کو پتہ چلا کہ دشمن کا کمپنی کمانڈر بالی رام تو وہیں ہلاک ہو گیا تھا اور وہ گستاخ کرنل جو شدید زخمی ہو گیا تھا وہ زخمی جا کر ختم ہو گیا)

### مشاہدات

چک پترا کی فوج کے بعد دشمن کی گولہ باری میں شدید اضافہ ہو گیا ہر طرف سے خاص طور سے ٹیٹوال کی طرف سے بڑے بھاری گولے آرہے تھے اور چانیاں پہاڑی کے اُس پاس گر رہے تھے۔ اب کرنل صاحب نے مجھ سے کہا مجاہد وضو کے لئے پانی لاؤ، وضو کرنے کے بعد نماز پڑھی۔ بکر سے باہر ایک لکڑی کا تختہ سا تھا اس کو جائے نماز بنایا ہوا تھا۔ نماز کے بعد پھر پانی پینے کے لئے مانگا۔ انہوں نے پانی پیا پھر کہا راج محمد چائے پی کر واپس آجائیں پھر مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں میں جلد واپس آ گیا میں نے کہا حکم، ہماری باتیں میجر غلام محمد سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا کرنل صاحب آپ کو اس مجاہد سے بہت محبت



ہے یہی وہ آدمی ہے جس کے بارے میں مجھے آپ نے بتایا تھا۔ کرنیل صاحب نے کہا ہاں ۶۵ سے یہ میرے ساتھ ہے اس نے بڑی قرانی دی ہے پھر مجھ سے کہا بیٹے۔ جب گھر جاؤ تو بتلانا گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ مالک ہے میں نے کہا۔ جب بھی جاؤں آپ ہی سے چھیڑ لے کر جاؤں گا۔ اس پر انہوں نے کہا اب چھیڑ کا مسئلہ ختم ہے یہ آخری الفاظ ہیں۔ کرنیل صاحب دور بین لے کر باہر نکلے تو میجر غلام محمد صاحب نے کہا آپ باہر نہ جائیں ہم دشمن کی زد میں ہیں اس پر کرنیل صاحب نے کہا میرے لئے جو گولہ بنا ہے میں کہیں ہوں اس نے وہیں آنا ہے تو میں کیوں نہ باہر جاؤں، آپ کی مرضی میجر صاحب نے کہا۔ کرنیل صاحب نے مجھ سے کہا مجاہد پانی لاؤ۔ جب تک میں پانی لایا تو ہٹ ہو چکے تھے۔ مجھ سے کہا مجاہد میرے یہاں (بیٹھے پر ہاتھ رکھ کر) ٹکڑا لگا ہے مجھ سے کہا میجر صاحب کو دیکھو میں نے ان کو دیکھا وہ اور سگنل میں اندر ہی شہید ہو چکے تھے۔ ایک براہ راست بم لگا تھا، کرنیل صاحب بیٹھ کر ایک بار پھر کوشش کر کے کھڑے ہوئے پھر بیٹھ گئے گرم پانی پیا۔ پھر کھڑے نہ ہو سکے پھر کہنے لگے میرا وقت آگیا ہے۔ میں نے سب کو معاف کیا، سب مجھے معاف کریں۔ میری طرف سے ساری قوم کو سلام، پھر سیدھا ہاتھ سلام کے انداز میں اٹھایا، ماتھے تک لے گئے۔ بہت واضح الفاظ میں پاکستان پائندہ باد کہا اور پھر سر ڈھک گیا۔

## معرکہ لیپا ویلی کی اہمیت

لیپا ویلی کا معرکہ سقوطِ ڈھاکہ اور مغربی محاذ پر ناکام جنگِ بندی اور ہندوستان میں پاکستان کے ۹۲ ہزار جنگی قیدیوں کے پس منظر میں دیکھنا چاہیے، اس وقت ساری قوم شکست کے انتہائی تلخ احساسِ مایوسی کا شکار تھی گو سقوطِ مشرقی پاکستان کے اسباب بیشتر سیاسی تھے لیکن صرف شکست کے احساس سے خواہ اس کے اسباب کچھ بھی تھے فوج بھی بیدل اور اندر دنگ کا شکار تھی۔ سیاسی اور فوجی طور پر پاکستان کی ساکھ کم سے کم سطح پر تھی۔ لیپا ویلی کے کامیاب اپرین

نے فوج کے حوصلہ اور وقار کو بلند کیا۔ قوم کا اعتماد فوج پر بحال ہوا، احساسِ مالیوسی بڑی حد تک کم ہوا اور پاکستان کی ساکھ بھی بحال ہو گئی۔ پاکستانِ آخرِ پاکستان ہے۔ دوستوں نے ہی نہیں دشمنوں نے بھی کہا۔

اس معرکے کے پلان کو بریگیڈ کمانڈر بریگیڈئر عطا محمد خان ملک اور ڈویژن کے جی اوسی میجر جنرل عبد المجید کی تائید حاصل تھی۔ اس کی تعمیل میں حق نواز کے انسروں اور ماتحتوں نے بھی جان لڑادی۔ ان کا زنا سہ بھی کم نہیں ہے لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ اس معرکے کی روح رواں حق نواز بیانی تھے۔ ان ہی کی بیباک پُر عزم اور ذہین قیادت نے اس معرکے کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اس معرکے کے اصل ہیرو وہی تھے قوم اور فوج ایسے ہیرو پر جتنا فخر کرے اور ان کی جتنی عزت کرے کم ہے۔

## تجہیز و تکفن

حق نواز کیانی کی شہادت ۵ مئی کی صبح سات بجے ہوئی تھی۔ اس وقت لڑائی جاری تھی۔ دوسرے دن تابوت تیار کیا گیا اب ایک مسئلہ یہ اٹھا کہ شہید کے جسدِ خاکی کو شہید کے گاؤں مونا کیسے پہنچایا جائے پہنچانے میں دشواری یہ تھی مسئلہ تھا کہ شہید کے کشمیری عقیدتمند مصر تھے کہ ہم اپنے پیر و مرشد کو اپنے علاقے میں دفن کریں گے اور مقبرہ بنائیں گے۔ بہر حال انہیں سمجھا بچھا کر اور خاص تدبیروں کے ساتھ شہید کے جسدِ خاکی کو مونا پہنچایا گیا۔ شہید نے تار و پاز تھی کہ میں بیٹی کی شادی کے سلسلے میں آؤں گا وہ آئے تو سہی مگر سر سے کفن باندھے ہوئے۔ شہید کو ان کے والد صوبیدار اللہ دتہ کے پہلو میں پورے اعزاز سے فوجی وردی میں دفن کیا گیا ایک چادر کفن ان کے ساتھ تھی دوسری آپ زم زم کی کفنی ان کے پیر صاحب کے صاحبزادے لائے تھے وہ تابوت میں ڈال دی۔ چونکہ والدہ کو کوٹہ سے آنا تھا ان کے انتظار میں دفن کیے

مُنہ کھلا رکھا گیا تھا، وہ تین دن کے بعد پہنچیں، منہ دیکھا جو میرے بیٹے میرے لال کہا اور اس کے بعد تابوت پر آخری تختہ لگا دیا گیا، شہادت کے تین دن بعد پورے طور پر دفن ہوئے گرمی کا موسم تھا، بدن پر لپٹا ویلی کے گرم کپڑے بھی تھے لیکن میت ذرا خراب نہ ہوئی تھی چہرہ پُر رونق پُر سکون تھا، برسوں کی بیقراری کو قرار آ گیا تھا۔

## شہادت کی حسرت

شہادت کی آرزو حق نواز کے دل میں عشق کی حد تک تھی۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں شہادت کے لئے بے کل تھے اس وقت ان کے نائب کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل قاضی جان راوی ہیں کہ ان کے دستے میں سے جب کوئی جوان شہید ہوتا تو روتے تھے اللہ تو نے اس خوش نصیب کو شہادت کے لئے چُن لیا مجھے محروم رکھا، جون سلائے میں پی ایم اے کے میس میں بریگیڈیر اسلم جموعد سے کہا، ستارہ تول گیا، اپنا کام نہیں بنا، اپنے کام سے ان کی مراد اپنی شہادت تھی۔

ان کی بیگم کہتی ہیں کہ جب ستارہ جرات لیکر ریٹائر ہوئے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے، غازی تو بنا لیکن شہادت نہیں ملی، ان کے غصے میجر یعقوب راوی ہیں کہ پھٹی پر آئے تو جادہ میں والدہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے جب ان سے رخصت ہونے لگے اور وہ سر پر ہاتھ پھیر کر گئے لگا چکیں تو چلتے چلتے ان کے آخری الفاظ یہ تھے، مال شہادت کے لئے دعا کرنا۔

## شہادت سے پہلے، شہادت کا احساس

شہادت کی آرزو تو انہیں برسوں سے تھی، لیکن دسمبر ۱۹۶۵ء میں جنگ پر جانے لگے تو

ابہیں یقین سنا تھا کہ اب کے وہ شہادت کی نعمت حاصل کر سکیں گے۔ اپنی زمین کے مزارعوں سے رخصت ہوئے تو یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ آپ لوگوں سے آخری ملاقات ہے۔ مگر سے جاتے وقت بیوی بچوں سے اس طرح ٹوٹ کے ملے کہ جیسے اب پھر نہیں مل سکیں گے۔ جادہ میں ماں کے قدموں کو چھوا تو آخر میں یہ درخواست کی۔ بے جی میری شہادت کی دعا کرنا۔ اپریل ۷۲ میں چند روز کی چھٹی لی تاکہ زمین کے معاملوں کو سلجھاتے رہا میں۔ پنڈی میں اپنے دوست میجر محمد سرور خان سے جس انداز سے باتیں کیں ان سے صاف ظاہر تھا کہ اب کے نگاہیں افق کے پار لگی ہیں لیکن ان کی حین شہادت کا حتمی ثبوت خطوط ہیں انہوں نے شہادت سے تین روز پہلے یکم مئی ۷۲ کے روز پاکٹ ڈائری میں سے پھاڑے ہوئے اوراق پر اپنی والدہ صاحبہ اپنے بیٹے اور اپنے بھائی کو لکھے تھے۔ انہوں نے اپنی والدہ کو لکھا۔

### شہادت سے فوراً پہلے کے چند خطوط

۷۸۶  
۹۲

لیپا ویلی کرناہ

یکم مئی ۱۶ ربیع الاول

بخدمت جناب میرے قبلہ و کعبہ جناب والدہ صاحبہ! السلام علیکم!  
میری پیاری والدہ صاحبہ یہاں پر چند دنوں تک کچھ حالات کی خرابی کی وجہ سے جنگ ہونے والی ہے۔ ایسے حالات میں زندگی کا پتہ نہیں ہوتا ہم لوگوں نے تلپنے آپ کو اللہ کے حوالے کیا ہوا ہے، جیسے اس کی مرضی انشاء اللہ آخری دم تک کفار کا مقابلہ کریں گے۔ بے جی آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عزت کا زندہ رکھیں اور عزت سے ماریں۔ آمین ثم آمین۔ میری پیاری بے جی، اگر خداوند تعالیٰ نے اس دفعہ قبول کر لیا تو آپ غم نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا، والدین کو اپنی اولاد کی جوانی (کی موت)



کا دیکھ تو بہت ہوتا ہے لیکن اس میں کسی کا زور نہیں تو پھر شہادت خداوند تعالیٰ جس کو نصیب فرماتے وہ تو بہت خوش قسمت ہوتا ہے۔

اصغر، خالوں اور جانو بھی تو آپ کے پیچھے ہیں انشاء اللہ سب آپ کے تابعدار ہیں قبلہ والدہ صاحبہ آپ کی خدمت میں پھر عرض ہے کہ مجھ پر راضی رہیں میں انشاء اللہ اگلے جہان میں بھی تابعدار رہوں گا۔

نور چشم ..... حق نواز

اسی روز انہوں نے ایک خط انگریزی میں اپنے بیٹے اصغر نواز کیانی کو لکھا۔ اصغر لمٹری کالج میں پڑھتا تھا۔ اس نے فوج میں کمیشن کے لئے درخواست دے رکھی تھی۔ کرنل کیانی شہید نے اس خیال کے پیش نظر کہ ان کا بیٹا فوج میں جا رہا ہے، خط میں لکھا،

۷۸۶  
۹۲

لیا پوہلی  
یوم مئی ۱۹۷۲ء

میرے پیارے بیٹے! خدا ہر حال میں تمہارے ساتھ رہے!

تم سب سے جدا ہوتے وقت تمہاری کامیابی اور تمہارے خوش اُستادہ مستقبل کے لئے دعا گو ہوں۔ افسر کی حیثیت سے اپنے آپ میں سخت محنت کی عادت ڈالو۔ اپنے فرائض کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دو اور اپنے جوانوں کو پوری توجہ دینا ان سے پورے خلوص سے پیش آنا۔ اپنے جوانوں اور اپنے آپ کو بھی اپنی کمانڈ میں رکھنا، اللہ اور اسلام کے نام پر جہاں قربان کرنے کے لئے تیار رہنا۔ اپنے فن میں پوری تربیت حاصل کرنا، ہر زاویے اور رموز کو سمجھنا تاکہ تم ایک قابل افسر بن سکو۔ میرے بیٹے یاد رکھو کہ بہت جلدی تمہیں میری جگہ لینا ہے۔ میں تم سے ایسے وقت جدا ہو رہا ہوں جب تم نا شاء اللہ جوان ہو چکے ہو، جب تمہارے دادا جان فوت

ہوئے تھے تو میں بہت چھوٹا تھا۔ اپنی پاری والدہ اور بہنوں اور بھائیوں کا خیال رکھنا  
اُن سے سختی نہ کرنا۔

خدا حافظ

تمہارا والد

اپنے چھوٹی زاد بھائی اور خسر کو بھی انہوں نے اسی روز خط لکھا یہ خط بھی انگریزی میں ہے

۷۸۶  
۹۲

لیا ویلی

یوم مئی ۱۹۷۲ء

قبلہ بھائی صاحب! میں آپ کا بے حد مشکور ہوں کہ بڑھاپے کے باوجود میری اور میرے  
کنبے کی دیکھ بھال کرتے رہے، فرض تو میرا تھا کہ میں آپ کی دیکھ بھال کرتا۔ افسوس ایسا  
نہ ہو سکا۔ میں خداوند عالی کے حضور سر جھکاتا ہوں جس نے مجھے شہادت کے لئے منتخب کر  
لیا ہے، میں چہرے پر سکرابٹ لئے ہوئے رخصت ہو رہا ہوں، میں اپنے پیچھے اپنے بچوں اور ان  
کے بچوں کے لئے ایک راستہ چھوڑ چلا ہوں تاکہ وہ اس راستے پر میرے نقوش یا پرچیں، اللہ  
میری اس خواہش کو قبول فرمائے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی رفیقہ حیات عنایت کو زندگی کی پوری ستر میں نہ دے سکا۔  
اللہ اس کا حامی و ناصر ہے۔

یہ لگتا تو عجیب سا ہے لیکن آنے والے واقعات پہلے ہی اپنا سایہ ڈال دیتے ہیں

آپ کا بھائی

حق نواز

کرنل شہید نے اپنے بیٹے اور برادرِ بزرگ کے خطوط میں صاف لکھ دیا تھا کہ خدا نے

انہیں شہادت کے لئے منسوب کر لیا ہے۔ یہ بھی ایک بشارت تھی جو انہیں قرآن سے حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے محترمہ والدہ صاحبہ کو تو ذرا سنبھل کر خط لکھا ہے لیکن بیٹے اور بھائی کو بتا دیا ہے کہ وہ ان سے رخصت ہو رہے ہیں۔ انگریزی میں خط لکھنے کی غالباً وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ کو پتہ نہ چل پائے کہ ان کا بیٹا شہید ہو رہا ہے۔ اسی طرح کے خطوط انہوں نے بیگم عنایت حق نواز کو اپنے بھتیجے پروفیسر محمد موجود کیانی کر لکھے تھے۔ ان کی بیگم کہتی ہیں:-

"انہوں نے مجھے لکھا، عنایت! میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں اور رخصت ہوتے وقت شرمندہ ہوں کہ تا وقت امتحان میں ڈال کر جا رہا ہوں، لیکن فکر نہ کرنا۔ بچوں کا اور گھر بار کا اللہ مالک ہے۔ پھر کچھ باتیں بچوں کے بارے میں اور کچھ روپے پیسے کا حساب کتاب تھا۔ اپنے بھتیجے موجود کیانی سے بے تکلف تھے اور گھر کے اور بچوں کے بہت سے معاملات کی دیکھ بھال موجود کے ذمے کر رکھی تھی ان کے نام کے خط میں بھی انہوں نے وصیت نامے کا لب و لہجہ اختیار کیا۔

## باب دوم

## شخصیت و کردار

ہو علقہ یاران تو بریشم کی طرح نرم  
 رزم حق و باطل ہو تو فولا ہے مومن

اقبالؔ



## شہید کا کردار اپنے گھر والوں کے تاثرات کی روشنی میں

حق نواز غیر معمولی کارنامے اس لئے انجام دے سکے چونکہ وہ غیر معمولی شخصیت و کردار کے مالک تھے، ان کے ٹپتے کے آدمی اس زمانے میں نایاب نہیں تو کیا بضرور ہیں۔ ان کی زندگی کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ جب انسان کا قلب روشن ہو جائے تو وہ کتنا بدل جاتا ہے وہ زندگی اور موت کو ایک نئی نظر سے دیکھتا ہے، پھر کوئی کام اس کے لئے مشکل اور ناممکن نہیں رہتا۔ ایمان میں کتنی قوت ہوتی ہے وہ کس طرح انسان کو ناقابل تسخیر بنا دیتا ہے اس کا جتیا جاگتا ثبوت حق نواز کی زندگی اور ان کی شہادت ہے۔

حق نواز کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آخری زمانے میں اپنی شہادت کو کندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے، یہ محض جنون نہ تھا یہ محض جذبہ نہ تھا، یہ ان کی پُرسوز جان کا کرشمہ تھا اور اسی چیز کی ہم سب کو اس ملک کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

حق نواز کی شخصیت و کردار کے مطالعہ کے لئے ہم نے یہ جدید سائنسی طریق کار اختیار کیا کہ ان عزیزوں، دوستوں اور واقف کاروں سے انٹرویو کئے، ان سے کہا کہ وہ بجائے اپنے تاثرات بیان کرنے کے ہمیں وہ واقعات بتائیں جن سے انہوں نے شہید کی شخصیت کے بارے میں وہ تاثرات اخذ کئے ہیں۔

اس طرح واقعاتی تاثرات سے شہید کی شخصیت کی تصویر بنانے کی کوشش کی گئی

گھر والوں سے زیادہ کسی کو کون جانتا ہے۔ کسی کا اچھا برا دنیا سے چھپ سکتا ہے والدین سے، بہن بھائیوں سے، بیوی بچوں سے نہیں چھپ سکتا اس لئے ہم سب سے پہلے شہید کے گھر والوں کے انٹرویو پیش کرتے ہیں۔

### کیا نئی شہید کی والدہ ماجدہ کا انٹرویو

حق نواز شہید کی والدہ کی اب خامی عمر ہو چکی ہے، ستر پچتر کے پیٹے میں ہیں لیکن عمر کے لحاظ سے صحت اب بھی اچھی ہے۔ زیادہ تر وقت مصلے پر گزرتا ہے، خوشحال ہیں اور بیشتر اپنے گاؤں مونہ پنڈ میں رہتی ہیں۔ انہوں نے در بڑے غم دیکھے ۱۹۴۰ء میں شوہر کا اور ۷۲ء میں اکلوتے بیٹے کی شہادت کا۔ انہوں نے صبر و شکر کے ساتھ دونوں غم برداشت کئے۔ اللہ کی نیک بندی ہیں، راضی بہ رضائے الہی۔ بیٹے کی شہادت پر انہیں بڑا مان ہے کتنی ہیں کہ میرا بیٹا سونے کا تھا۔ جب تک جیا بڑی آن بان سے جیا اور جب دنیا سے گیا تو بڑی شان سے گیا۔ شہادت کا لے بڑا شوق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ آرزو پوری کر دی، کہا کرتا تھا ”بے جی“ مجھے شہید تو ہونے دو میں آخرت میں تمہاری خدمت کروں گا۔ ٹھخے یقین ہے وہ آخرت میں میرے کام آئے گا۔

اب ہم وہ انٹرویو نقل کرتے ہیں جو محمد آزاد بخت کیانی صاحب نے ان سے مونہ پنڈ جا کر ہائے لئے لیا۔

سوال : آخری ملاقات میں کیا فی صاحب نے آپ سے کیا کہا ؟

جواب : ”پہلی دفعہ جب میرے بیٹے کو دوبارہ فوج میں بلا یا گیا تو ہم لوگ

منگلا میں رہ رہے تھے، جدائی کے وقت میں میری بہن اور اس کے بچے

روئے۔ دو تین دن کے بعد میرا بیٹا پھر آگیا اور اب میں تباہ کر اسے

لیا وادی میں بھیجا جا رہا ہے۔ صبح نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے میری قدم بوسی کی ملاقات اور الوداع کے موقع پر میرا بیٹا، ہمیشہ میری قدم بوسی کیا کرتا تھا۔ قدم بوسی کے بعد میرے بیٹے نے کہا کہ 'بے جی' اب کی دفعہ رونا نہیں اس کا دل رکھنے کے لئے ہم نے اسے ہنسنے ہوئے رخصت کیا لیکن دل پر ان جانے دوسوں کا بوجھ تھا۔

سوال : شہادت کی خبر کب اور کہاں سنی اور آپ کے اس وقت تاثرات کی تھیں؟

جواب : بیٹے کی شہادت کے دنوں میں میں کوئٹہ اپنی بیٹی کے پاس تھی، لیا وادی میں حالات خراب ہونے کی خبر ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے ملتی رہتی تھی۔ اس وجہ سے دل انجانے دوسوں میں گھرا رہا تھا، ایک دن میری بیٹی نے بتلایا کہ میرا بیٹا جنگ میں زخمی ہو گیا ہے اور ہمیں گھر جانا ہے۔ اسی پریشانی میں 'سبی' سے دو تین سٹیشن گزرنے کے بعد مجھے اصلی خبر بتائی گئی کہ میرا بیٹا شہید ہو چکا ہے۔ اس کی لاش دشمن کے علاقے میں ہے۔ یہ خبر سن کر میری حالت وہی تھی جو ایک ماں کی ہوتی ہے۔ بیٹے کے اچانک بھر جانے کا سخت غم اور صدمہ تھا لیکن ساتھ فخر بھی تھا کہ بیٹا اپنے دین اور ملک کے کام آگیا اور اس کی شہادت کی خواہش پوری ہو گئی۔ میری دلی دعا تھی کہ بیٹے کی لاش صبح سالم مل جائے اور میں اس کا آخری دیدار اس کی ودی میں کر سکوں جس کا اسے اپنے والد کی طرح بڑا مان تھا۔ گھاؤں پہنچ کر بیٹے کا آخری دیدار کیا تو رونا پیٹنا بھول گیا۔ اُس وقت دل کی حالت میں بیان نہیں کر سکتی۔

سوال : آپ شہید کے بارے میں کوئی اور بات بتانا پسند کریں گی۔

جواب : ۱۹۶۵ء کی لڑائی کے کارنامے مجھے فخر سے سنایا کرتا تھا کہ مجھے وہ شہید

اور غازی ابھی تک نہیں بھولے۔

سوال : آپ کے نام ان کے خط تو بہت آتے ہوں گے۔ کوئی اہم خط آپ دکھائیگی؟

جواب : اس کی ڈاڑھی سے جو آخری رقم نکلا تھا وہ یہ ہے۔

میری پیاری والدہ، شہادت کا وقت آگیا ہے کفار کا آخری دم تک مقابلہ کریں گے اگر میں شہید ہو جاؤں تو غم نہیں کرنا، دکھ تو آپ کو بہت ہوگا۔ آپ کی بقیہ خدمت روز قیامت کروں گا۔

سوال : بچپن میں حق نواز کا کیا رنگ تھا؟

جواب : شرارتی اور صندی۔ اپنی من مانی کرتا تھا۔ باپ سے بہت مانوس تھا۔ ان سے سے ڈرتا تھا اور عزت بھی بہت کرتا تھا۔ بچپن میں ان کی وردی پہن کر اور تلوار سبیل سے کھیل کے بہت خوش ہوتا تھا، وہ بھی اسے بہت چاہتے تھے۔ ایک دفعہ منگلا میں میرا شہید بھائی اپنے والد کا ذکر کر رہا تھا کہ مجھے بھی والد کی طرح لمبی عمر نہیں چاہیے۔ بہادری اور عزت کی عمر چاہیے خواہ تھوڑی ہو۔

سوال : شروع جوانی میں کیسے تھے؟

جواب : شروع جوانی میں بہت شوقین مزاج تھا، فوٹو گرافی اور سیر سپاٹے کا شوقین میں نے ایسے کبھی اپنی بیوی یا بچوں سے غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ اپنے باپ کی قبر خوبصورت بنانا چاہتا تھا۔ یہ خواہش اس کی شہادت کے بعد پوری ہو گئی۔ میرا بیٹا بلند ستارے کا مالک تھا وہ زندگی میں عظیم تھا اور شہادت کے بعد عظیم تر ہو گیا۔

## شہید کی دوسری والدہ کے تاثرات

حق نواز کے والد صوبیدار اللہ دتہ نے ۱۹۴۰ء میں اپنی رحلت سے چند سال پہلے دوسری شادی بھی کی تھی اس سے ان کا ایک بیٹا بھی تھا 'حق نواز کیانی' ہم نے سنا تھا کہ نواز نے اپنی ان دوسری والدہ کا بھی زندگی بھر خیال رکھا اور ان کی دیکھ بھال بیسٹوں کی طرح کی اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان خاتون کے تاثرات بھی معلوم کریں۔ موز پٹہ میں جوائنٹر وائبر



ہمارے لئے محمدؐ آزاد بخت کیانی نے ریکارڈ کیا وہ یہ ہے :

سوال : جب آپ اس گھر میں آئیں تو حق نواز کیانی کی عمر کیا تھی ؟ اور وہ کیسا تھا ؟

جواب : اس وقت کیانی بیٹے کی عمر کوئی گیارہ برس کی تھی وہ ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا وہ بہت ہی اچھا تھا وہ ہمارے ساتھ کواٹ میں دو تین سال رہا اس نے مجھے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا ، بس ذرا شرارتی تھا ، سوپکے شرارتی ہوا ہی کرتے ہیں۔  
سوال : بڑے ہو کر حق نواز کیانی نے آپ کے ساتھ کیا رویہ رکھا ؟

جواب : بڑے ہو کر تو اس نے کمال کر دیا ، چھوٹا تھا تو کبھی کبھی منہ بھی کر جاتا تھا لیکن جب صوبیدار صاحب جنگ میں کام آئے اور میں اکیلی رہ گئی اس وقت میری عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ ایک بچہ تھا حق داد کیانی ، بظاہر میرا سہارا کوئی نہیں تھا۔ بوی کے لئے شوہر ہی سب کچھ ہوتا ہے ، جب سرتاج نہ رہا تو کچھ بھی نہ رہا۔ لیکن آفرین ہے حق نواز پر کہنے کو سوتیلا تھا لیکن میرا خیال اور احترام سگے بیٹے کی طرح کرتا تھا۔ وہ مجھے مامی جی کہا کرتا تھا گھر میں کبھی کبھار کوئی اختلاف کی صورت پیدا ہو ہی جاتی ہے ایسے موقعوں پر وہ میری پاسدار کرتا۔ اور اپنی ”بے جی“ کو کہتا ”مامی صاحبہ“ سے زیادتی نہ کیا کریں اور تو اور میری پیٹھ پیچھے بھی وہ کسی کو میرے خلاف بات نہیں کرنے دیتا تھا۔ اس دلداری سے میرا دل بہت خوش تھا۔ سگا بیٹا بھی اس سے زیادہ نہیں کیا کرتا۔

سوال : آپ کے بیٹے حق داد کیانی کے ساتھ کیانی شہید کس طرح پیش آتے تھے ؟

جواب : اب میں کیا بتاؤں دنیا کو یقین نہیں آئے گا۔ حق نواز نے حق داد کو بڑے بھائی کی طرح بلکہ باپ کی طرح پرورش کیا۔ اس کو انگریزی اسکولوں میں پڑھایا ، پنڈی میں کوئی کالج ہے ، گارڈن کالج یا کیا ، اس میں بھی پڑھایا۔ پھر اپنے ساتھ کراچی لے گئے ، وہاں سے اسے لندن بھیجا لیکن اس کی قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔

سوال ، حق نواز کی شہادت پر آپ نے کیا محسوس کیا؟

جواب ، مجھے وہ دھکا لگا جو شاید ۱۹۴۰ء میں اس کے باپ کے مرنے پر لگا تھا۔ اس وقت جوان تھی، اب بڑھاپے کا یہ ہمارا ذکر رہا۔ میرے لئے وہ سگون سے زیادہ تھا۔ بس یہ سوچ کر چپ ہو جاتی ہوں کہ اللہ نے اسے شہادت دی ہے اور شہادت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

کیانی پر جب کوئی مشکل آپڑے تو کہا کرتا تھا کہ اللہ مالک ہے۔ میرا بھی اللہ مالک اتنی گزر گئی ہے باقی بھی اللہ اللہ کرتے گزر جائے گی۔ ایک ہی مالک ہے وہی مالک ہے۔

## بیگم کیانی کا تبصرہ

وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ فرشتے سے بڑھ کر ہے انسان بننا، وہ بے وجہ نہیں۔ کیانی کی شخصیت کا کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کی اس بُندی کو پاسکے تھے، جہاں انسان سب کے ساتھ ہوتا ہے اور سب سے علیحدہ ہوتا ہے۔ کیانی شدید جذباتی انسان تھے، بہت ٹوٹ کے محبت اور نفرت کرتے تھے۔ طبیعت کے بہت تند و تیز تھے لیکن ان کی خودی بے گام نہیں۔ رضائے الہی کی پابند تھی۔ اقبال کا مشہور شعر ہے

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند

بتان و ہم دگمان لا الہ الا اللہ

کیانی کو یہ کمال حاصل ہو گیا تھا کہ وہ مال و دولت دنیا ہی سے نہیں۔ رشتہ و پیوند کو بتان و ہم دگمان سمجھتے تھے اور دل کی انتہائی گہرائیوں سے ایسا سمجھتے تھے۔ یہی کیانی کی شخصیت کا راز ہے۔ وہ مجاہد بھی تھے اور صوفی بھی۔ بیوی کی نگاہ میں کرن ہیرو ہو سکتا ہے؟ کیانی وہ ہیرو تھے جنہیں یہ امتیاز حاصل تھا۔

سوال : شادی کے علاوہ آپ کا کیا فی صاحب سے کیا رشتہ تھا !

جواب : ہمارا ان سے دوسرا رشتہ تھا میں ان کے ماموں زاد بھائی میجر یعقوب صاحب کی بیٹی ہوں وہ میرے والد کے چھوٹے زاد بھائی صوبیدار اللہ دتہ صاحب کے بیٹے تھے۔

سوال : آپ کی شادی کس طرح ہوئی۔

جواب : ہماری شادی خاندان کے رواج کے مطابق بچپن میں طے ہو گئی تھی۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہم دونوں کے خاندانوں میں دوسرا رشتہ تھا۔ لیکن جب وہ بڑے ہوئے تو ان کے طور طریقے بالکل انگریزوں جیسے تھے۔ ایک انگریز جوڑے ملری کالج جہلم کے کمانڈنٹ کرنل اسٹیننگ اور ان کی بیگم نے انھیں بیٹا بنا کے پرورش کیا تھا۔ ان کی عادات اطوار کا ایسا ڈھنگ تھا کہ عام طور پر یہ بات مشہور ہو گئی کہ صوبیدار اللہ دتہ کا بیٹا لفٹیننٹ جی نواز کسی پاکستانی لڑکی سے نہیں کسی فرنگی سے شادی کرے گا۔ لیکن جب شادی کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی والدہ کی خواہش کا احترام کیا۔ حالانکہ خاندان میں کچھ الجھنیں بھی تھیں اس کے باوجود انہوں نے کہا مجھے خود انہوں نے بتایا کہ میں شادی کروں گا وہیں کروں گا۔

سوال - آپ کی شادی کب ہوئی۔

جواب - ہماری شادی ۱۹۴۸ء میں ہوئی تھی وہ اس وقت لفٹیننٹ تھے۔ وہ پانڈوکشمیر کے علاقے سے آئے تھے اور شادی کے تیسرے دن پانڈوکشمیر واپس چلے گئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ پانڈوکشمیر میں ان کا نام کبوتر پڑ گیا تھا۔ کبوتری انہیں کبوتر کہنے لگے وہ اس تیزی سے پہاڑیوں کے درے چڑیاں چڑھتے اترتے تھے، کبھی یہاں، کبھی وہاں کہ وہ علاقے میں کبوتر کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

سوال : ابھی آپ نے کرنل اسٹینگ کا تذکرہ کیا، سنا ہے ان کو اسٹینگ صاحب نے بیٹا بنا رکھا تھا، کیا فی صاحب ان کا تذکرہ کبھی گھر بھی کرتے تھے۔

جواب : کیا فی صاحب پر سب سے زیادہ اثر ان کے والد کا تھا وہ ان کی جرأت، آن بان اور ٹھاٹھ باٹھ کے قہقہے اکثر بچوں کو سناتے تھے۔ بچے جب بڑے ہو گئے مٹری کالج کے دنوں کا تذکرہ بڑے شوق سے کرتے تھے۔ کالج کے کرنل اسٹینگ کا ذکر اکثر کرتے تھے۔ اور بچوں کو بتاتے کہ کس طرح اسٹینگ

صاحب ان پر مہربان تھے۔ ان کی مسر بھی انہیں بیٹا سمجھتی تھیں۔ یہ سن کر ایک بچے نے ان سے پوچھا، 'ابو پھر تو آپ کے عیش ہوں گے۔ انہوں نے کہا نہ بیٹے یہ بات نہیں ان کی یہی بہت شفقت تھی کہ میری ہر بات پر کڑی نظر رکھتے تھے اگر میں وہی غلطی کرتا جو کسی اور نے کی ہوتی تو اگر اس کو دوبید پڑتے تو میری چار بیدوں سے تواضع ہوتی۔ کمانڈنٹ کی خوبی یہی تھی کہ دیکھ بھال بھی کرتے تھے اور سخت بھی بہت تھے۔

سوال : آپ کے ساتھ ان کا رویہ کیا تھا ؟

جواب : سارے خاندان میں ہمارا نام تھا، جڑا ہو تو ایسا ہو، دیوانہ وار محبت کرتے تھے۔ محبت تو میاں بیوی میں اکثر ہوتی ہے لیکن ان کی محبت کی خصوصیت یہ تھی کہ محبت کے ساتھ قدر کرتے تھے، لحاظ کرتے تھے اس کی ایک مثال جو میرے ذہن میں آ رہی ہے۔

جن دنوں ہم کھاریاں میں تھے یہ اس زمانے کی بات ہے کہ میرے چچا زاد بھائی رات گئے اسکیٹنگ سے آئے۔ میں سو چکی تھی اور صبح کو دیر سے اٹھی، بھائی کو صبح سویرے لاہور جانا تھا۔ کرنل صاحب نے انہیں ناشتہ وغیرہ کرایا، رخصت کرایا بچوں کو تو اسکول بھجوا دیا لیکن مجھے نہ اٹھایا۔ جب بھائی لاہور پہنچے تو چچی نے پوچھا بہن سے ملے۔ بھائی نے کہہ دیا وہ تو سو رہی تھی، کرنل صاحب نے اسے اٹھایا ہی نہیں، وہ بولیں حق لازم تو ان کا اتنا کرتا

ہے یہ تو تم زندہ گئے تھے اگر کوئی مر بھی جاتا تو وہ اسے نہ اٹھاتا۔ یہ حال تھا اس قدر منزلت کا، اس چاہت کا جو ان کے دل میں میرے لئے تھی۔

وہ میرا کتنا خیال کرتے تھے امدانہیں پسند و ناپسند کا کتنا پاس تھا۔ اس مسئلے میں دو واقعات شائق ہوں :

شادی کا دوسرا دن تھا۔ اردلی کچھ کپڑے دھو بی کے پاس لے چلا، کپڑے ٹھیک ٹھاک تھے۔ بالکل صاف، کوئی داغ دھبہ نہیں تھا میں نے کہا نہ لے جاؤ۔ دھوانے کی ضرورت نہیں! اردلی گھبرایا کہنے لگا، صاحب کا حکم ہے۔ کپڑے دھوائے جائیں، خواہ میلے ہوں یا نہ ہوں۔ میں نے کہا تم نڈر کرو میں کہہ دوں گی۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا بیگم صاحبہ جیب سے آپ آئی ہیں یہاں کچھ سکون ہے ورنہ کہیں کسی چیز پر دھبہ بھی نظر آ جائے تو اتنی زور سے ٹھوکر لگاتے کہ جو چیز بھی ہوتی کرے کی چھت سے جا لگتی۔

میرے جذبات کا انہیں اتنا احترام تھا کہ انہوں نے برسوں کی عادت سگریٹ نوشی بھی چھوڑ دی، وہ لگاتار سگریٹ پینے والوں میں سے تھے (چین اسموکر) ایک سگریٹ ختم ہونے لگتا تو اسی سے دوسرا سلگا لینے۔ کم از کم دو پکیٹ تو ضرور ہی پیتے تھے۔ وہ بھی تھری کاسل جو خاصا تیز سگریٹ ہے کہیں بعد میں جب میں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو محض مسیری دلداری کے لئے انہوں نے سگریٹ پینا چھوڑ دیا وہ بھی یکایک کسی ٹرین میں سفر کر رہے تھے جیب سے پکیٹ نکالا لائٹر لے کر سلگانے لگے تو ذرا سی دیر رک گئے کچھ سوچا جیسے یاد رکھ آگیا ہو۔ پھر کہا (اب نہیں نومور) اور یہ کہہ کر پکیٹ کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد پھر انہوں نے کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا، پریشانی دباؤ ذہنی الجھن کے ایسے ایسے مرتے آتے جب سگریٹ نہ پینے والے بھی ایک آدھ سگریٹ پی لیتے ہیں لیکن حق نواز نے سگریٹ ایک بار چھوڑا تو پھر ہاتھ نہیں لگایا۔ اپنی بات کا پاس تو ان میں بے انتہا تھا، ٹوٹ جانا گورا تھا،



جھکا گوارا نہیں تھا۔

سوال : بچوں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے ؟

جواب : جب ہم شگلا میں تھے تو بچیاں دت سے فیشن کرتیں میں کہتی بھی اپنے ابا کا خیال کرو لیکن وہ دیکھتے تو کہتے کہ اچھا آجکل یہ فیشن ہے بچوں کے ساتھ بہت فراخ دل تھے۔ بچے گھر میں ان کے آتے ہی شور کر دیتے تھے انہیں معلوم تھا کہ ابا کچھ نہیں کہیں گے۔ میں کہتی آپ تو انہیں کچھ کہتے ہی نہیں، تو جواب ملتا۔ تم ماں پر ان کی تربیت کرنا کام تمہارا ہے۔ تم ڈانٹو، جھڑکو۔ ہم تو ان کے ساتھ تھوڑی دیر کھیلنے کے لئے آتے ہیں۔ بچوں کو کبھی نہیں مارتے تھے۔ بچل کو لے کر پڑھانے کم ہی بیٹھتے تھے لیکن جب بیٹھتے تھے تو غصہ کرتے اور سزا بھی دیتے۔ عام طور پر نہیں مارتے تھے، بچوں کی شرارتوں کا برا نہیں مناتے تھے، کہتے تھے بچے کا مستی کرنا ایک لحاظ سے اچھا ہوتا ہے ہوشیاری کی علامت ہے۔

سوال : کیا فی صاحب لٹے عبادت گزار اور تہجد گزار تھے اس سلسلے میں آپ کے ساتھ

کیا روئے تھا۔

جواب : تہجد کے لئے تو نہیں لیکن نماز کے لئے کبھی کبھی تاکید کرتے۔ میں کہتی آپ اتنی نمازیں پڑھتے ہیں اور عبادتیں کرتے ہیں آپ کو جنت میں جانا ہی ہے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلے جائیں گے۔ کہتے باتیں رنباؤ نماز پڑھا کر لیکن انہوں نے ہمیں کبھی لمبا وعظ نہیں دیا۔ انہیں زیادہ نصیحتیں کرنے کی عادت نہیں تھی۔

سوال : ہم نے سنا ہے کہ حتیٰ نواز صاحب شاہ خرچ تھے اس سے کوئی مسئلہ تو پیدا

نہیں ہوتا تھا۔

جواب : شاہ خرچ تھے مگر گھر کی ضرورت پوری کرتے تھے، چونکہ داد و ہش کرتے وقت آمدنی کو نہیں دیکھتے تھے۔ اس لئے قرض لیتے رہتے تھے۔ لیکن ہاتھ رد کرنا نہیں

نہیں جانتے تھے۔ جب شہادت ہوئی ہے تو بکیوں کے مقروض تھے دوسروں کا دینا تھا۔ جب شہادت کی خبر آئی تو میرے تو پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، میرے پاس پُرس میں دس روپے تھے۔ سات بچے گھر در نہیں، اب کیا ہو گا۔ چند روز بعد ان کی مٹی کے پانچ دلوں کی تہنواہ آئی لیکن جلد ہی معجزاتی طور پر حالات بدل گئے اور جب سے اب تک کبھی مجھے پیسے کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ گھر بھی اچھا بن گیا ہے بال بچے بھی سعادت مند ہیں۔ بڑا بیٹا جو کبھی لا پرواہ تھا اب اس کا یہ حال ہے کہ اٹھتی ہوں تو پہلے جوتی سیدھی کرتا ہے۔

اللہ مالک ہے، ایک طرح سے ان کا خاص جملہ تھا اور وہ اس کو اس یقین سے ادا کرتے تھے کہ صاف معلوم ہو جاتا کہ یہ محض کہنے کی بات نہیں یہ ان کے دل کی آواز ہے۔ جب بیٹیاں بیٹے بڑے ہونے لگے تو میں کہا کرتی بہت خرچ آگیا ہے کچھ تو ہاتھ کو روکے کہتے اللہ مالک ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ ایک بار ایسا ہوا کہ انہوں نے کچھ پیسے مانگے، میں نے کم دیئے تو میری اتنی سے شکایت کرنے لگے، دیکھیے تمہاری بیٹی مجھے ہاتھ کھول کر خرچ نہیں کرنے دیتی۔ اللہ مالک ہے۔ کبھی اس کے پاس اتنا ہو گا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کس طرح خرچ کرے، میں نے کہا کہ یہ بہلانے کی باتیں ہیں جو ہے اسے تو بچایا جائے، انہوں نے اس کا بھی بُرا نہیں مانا۔ اللہ مالک ہے، کہا اور چلے گئے۔

سوال : کیانی شہید کا داد و ہمیش کا کیا انداز تھا ؟

جواب : انسانی ہمدردی کی ایک نادر مثال دیتی ہوں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں وہ کمانڈر مشن پر تھے کہ کسی جگہ بُری طرح پھنس گئے کہتے تھے کہ میں دشمن کے زعمے میں آگیا تھا وہاں سے زندہ بچ نکلنا ناممکن نظر آ رہا تھا، ٹھیک اس وقت کہیں سے دو کشمیری بچے آگئے، میرے لئے تو وہ فرشتے ثابت ہوئے، میں نے ان سے راستہ پوچھا انہوں نے بتایا کہ دشمن کہاں ہے اور خود ہی ایک پیچیدہ راستے سے مجھے ایک محفوظ مقام تک لے گئے، ان کے لئے فردا واپس جانا خطرے سے خالی نہ تھا میں نے انہیں روک لیا وہ بھی بے خانماں تھے۔ انہوں نے انکی پریش والدین کی طرح کی چہچہائی



ہو گئے تو ان کی شادیاں کیں۔

کرنل صاحب نے کوششیں کر کے ان دو مہاجروں کو جھنگ میں آدھا آدھا مریخ زمین بھی آلاٹ کرادی۔ یہ دونوں بھائی اب خوشحال ہیں۔ کرنل صاحب کو دعائیں دیتے ہیں۔ ان دنوں اپنی زمینوں پر ہیں۔ یہ تو ایک مثال ہے۔ آزاد کشمیر میں ان کی فیاضی اور ہمدردی کے قصے بچے بچے کی زبان پر ہیں۔ کرنل صاحب زیادہ تر کشمیر میں رہے وہاں کے لوگوں پر بے انتہا خرچ کرتے تھے۔ ابھی حال ہی میں ایک دکاندار کا خط آیا اس کو کئی ہزار روپے دے کر دکان کرائی۔ وہ اپنا بیج تھا۔ بیواؤں کو دیتے تھے۔ اس سال ان کی ساتویں برسی تھی ایک کشمیری آیا اور ان کی قبر پر تین دن رہا اور روتا رہا اور تلاوت کرتا رہا۔ نہ ہمارے گھر آیا اور نہ کسی سے کچھ مانگا۔ کشمیر میں انہوں نے اپنا پیسہ بھی لٹایا اور اپنی شفقت بھی لٹائی۔ کھوئی رٹ کے لوگ شہادت کے بعد لاش کو یہاں نہیں آنے دیتے تھے۔ ٹرک کے سامنے لیٹ گئے۔ ہم مرجائیں گے ہمارے پیر کو ہمارے پاس ہی رہنے دو۔ جس جگہ شہید ہوئے تھے وہاں انہوں نے زیارت سی بنا دی ہے۔ وہ لوگ ہر سال ان کا عرس مناتے ہیں۔ وہ انہیں پیر فقیر سے بھی زیادہ درویش صفت بزرگ سمجھتے ہیں۔

سوال ۱۔ کیا شہادت کے دنوں میں آپ کی کسی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔  
جواب ۱۔ کرنل صاحب کو اپنی بیٹی کی شادی پر آنا تھا۔ لیپا ویلی میں ہونے کی وجہ سے ان کا آنا مشکل ہو رہا تھا۔ ہر خط میں کہتے ایک مہینہ اور ملتوی کر دو۔ پھر خط آیا ایک ہفتہ اور۔ آخر مئی ۷۲ء کو تاریخ دی۔ چنانچہ مئی کے لئے شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ لکھا کہ میں ضرور شرکت کروں گا۔ شادی میں شرکت انہوں نے ضرور کی لیکن

اس طرح کہ گھر میں ان کا تابوت آ کے اتر ا۔ اسی دن ان کے بیٹے اصغر نواز کے نام ان کا خط بھی آیا۔ اس میں لکھا تھا میں اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب میں شرکت ضرور کروں گا۔ جہانی طور پر نہیں میری روح وہاں ہوگی۔ اس لئے میری کمی محسوس نہ کرنا۔

سوال :- آپ تو رازدان ہیں ہمیں بتائیے کہ حق نواز جو کبھی بڑے مختلف ہوتے تھے۔ بڑے ماڈرن تھے۔ ان کا قلب کیسے روشن ہوا۔

جواب :- یہ صحیح ہے کہ حق نواز کیانی جوانی میں بہت زندہ دل تھے۔ بڑے ٹھاٹھ بامٹھ سے رہتے تھے۔ زندہ دلی۔ مجلس آرائی اور شان و شوکت سے رہنا انہیں اپنے والد صوبیدار اللہ دتہ سے ورثے میں ملا تھا۔ انہیں کی طرح وہ کپڑوں کے معاملے میں نازک مزاج تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جوانی میں وہ بہت فیشن ایبل تھے۔ اچھے سے اچھا سلا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ چونکہ نقشہ کھڑا تھا اور رنگ سرخ و سپید تھا۔ کپڑا ان پر چلتا تھا۔ فلم دیکھنے کا بھی شوق تھا۔ انگریزی فلمیں دیکھتے تھے اور بہت کثرت سے دیکھتے تھے۔ سگریٹ بھی اعلیٰ سے اعلیٰ برانڈ کے پیتے تھے اور بہت پیتے تھے۔ غرضیکہ اپنے لباس، انداز، ذوق، طرز زندگی ہر اعتبار سے ان پر انگریزیت چھائی ہوئی تھی۔ روزہ، نماز کے بارے میں لاپرواہ تھے۔ مذہب کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی ان کے دل میں دماغ میں کیسے تبدیلی آئی اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا بظاہر یہ تبدیلی کوہاٹ سے شروع ہوئی۔ ۱۹۵۸ء میں ہماری پورنگ کوہاٹ میں تھی۔ وہاں گھمکول شریف کے پیر صاحب کے یہاں آنا جانا ہوا۔ ان کے فیضِ صحبت سے وہ مذہب کی طرف راغب ہوئے۔ ان کی طبیعت میں تسندی اور انتہا پندی تھی۔ جب مذہب کی طرف آئے تو اس میں ڈوبتے ہی چلے گئے۔ راتوں کو عبادت

کرتے۔ تہجد گزار ہو گئے تھے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر عملی زندگی میں ان کا رویہ ان کی قدریں بالکل بدل گئی تھیں۔ کہنا چاہیے بالکل درویش ہو گئے۔ وہی دنیا اور اس کے جھمگٹوں سے بے نیازی وہی موت سے بے خوفی اور وہی ایمان عین یقین کے درجے پر۔

سوال ۱۔ شکریہ۔ چلتے چلتے ایک سوال آپ کے بچوں کے بارے میں بھی ہو جائے جواب ۱۔ ہمارے سات بچے ہیں۔ چار بیٹیاں، تین بیٹے۔ دو بیٹیاں بیاہی ہوئی ہیں۔ دو ابھی پڑھ رہی ہیں۔ بڑا بیٹا اصغر سعودی عرب میں ہے۔ چھوٹا بیٹا احمد نواز آرمی میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہے۔ سب سے چھوٹا شیر نواز گھوڑا گلی کالج میں ہے پچھلے سال ہم نے یہ کوٹھی بنوائی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ سب کچھ ہے اتنا کچھ ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ سب معاملات ٹھیک جا رہے ہیں بس ایک وہ نہیں تو دنیا اندھیر ہے بس اس خیال سے دل کو تسکین دیتی ہوں کہ وہ مرے تو نہیں اور پھر جو شہادت انہیں محبوب تھی مجھے بھی قبول ہونا چاہیے۔

## بیٹے کیا کہتے ہیں

بیوی کی باتیں آپ نے سنیں۔ اب دیکھئے شہید کے بیٹے کیا کہتے ہیں۔ سوال ۱۔ اصغر! پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ بحیثیت باپ کے ابو آپ کے ساتھ کیسے تھے۔ جواب ۱۔ ہم بہن بھائیوں کے ساتھ وہ بہت نرم تھے۔ انہوں نے ہمیں خاصی آزادی دے رکھی تھی۔ ہم کو سیر کراتے تھے اور پکنک پر لے جاتے تھے۔ کبھی دوستوں کے گھرانوں کے ساتھ پکنک مناتے اور ہمارے ساتھ کھینٹے تھے۔ ان کے دوست کہتے کیا فی صاحب آپ تو بچوں کے ساتھ بالکل بچے بن گئے ہیں۔ وہ کہتے۔ جی ہاں۔ بچے اس سے



خوش ہوتے ہیں۔

جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو انہوں نے ہمیں آنے جانے کی خاصی آزادی دے رکھی تھی۔ جہاں جی چاہتا جاتے صرف ان کو بتا دیتے کہ وہاں جا رہے ہیں اور فلاں وقت واپس آئیں گے۔ اتنا ہی کافی تھا۔

اس کے باوجود کہ بڑے مذہبی تھے اور تعجب گزار تھے ہمیں کم و بیش ہر روز شہر لے جاتے۔ باغوں کی سیر کراتے اور اکثر فلم بھی دکھاتے۔

لباس کے معاملے میں بڑا تکلف کرتے تھے، ہم بہن بھائیوں کے لئے نت نئے کپڑے ضرورت بلے ضرورت خریدتے رہتے تھے۔ ہمیں اچھے اور شونخ کپڑے پہنتے دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوتی تھی۔ کپڑوں پر فضول خرچی پر امی ٹو کٹیتی تو ابو ایک دلچسپ فقرہ دہراتے تھے اگر تم بچانا چاہتی ہو تو زیادہ خرچ کر دو۔

ہمیں انہوں نے کبھی مارا نہیں سوائے پڑھائی پر۔ جب پڑھانے بیٹھتے تو ان کی خواہش ہوتی ہم فوراً سب کچھ سمجھ جائیں اور فوراً صحیح جواب دیں اور جب نہ دے پاتے تو پٹائی ہوتی۔ بس ایک آدھ تھپڑ۔ لیکن ہم اس تھپڑ سے ڈرتے بالکل نہیں تھے جس روز ہم میں سے کسی کی پٹائی ہوتی اس روز لازمی طور پر ہمیں باہر لے جاتے اور پیٹنے والے کو کوئی نہ کوئی نئی چیز ضرور ملتی۔ جھوٹ سے انہیں نفرت تھی، ہمیں بار بار تاکید کیا کرتے۔ بچو۔ جھوٹ نہ بولنا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔

میری امی مجھے بتاتی ہیں کہ میری بڑی بہن جب چھوٹی سی تھی تو اس کا بہت لاڈ کرتے تھے۔ جب اس نے پہلی بار گلاس توڑا تو ابو بہت خوش ہوئے۔ باقاعدہ جشن منایا کہنے لگے اب ہماری بیٹی بڑی ہونے لگی ہے۔

بڑے ہو کر میں نے بھی یہ بات نوٹ کی کہ بغیر اداے کے یا اتفاق سے کیسا ہی

نقصان ہو جائے وہ کبھی ہمیں جھاڑ نہیں پلاتے تھے اور ناراض نہیں ہوتے تھے۔  
منزاکا تو سوال ہی نہیں۔ کھانے کی میز پر یا کھیتے ہوئے چیزیں ٹوٹتیں یا خراب  
ہو جاتیں تو وہ کبھی اس کا نوٹس نہیں لیتے تھے۔ ٹھیک ہے تو کیا ہوا کہہ کر  
بات آئی گئی کر دیتے۔ بچوں کی آن رکھتے تھے۔

جب میں ملری کالج میں تھا تو میں چند دوستوں کو لے کر منگلا گیا۔ خیال تھا  
کہ ان کو کار میں منگلا کی سیر کراؤں گا۔ جب میں منگلا پہنچا تو ابو کہیں جانے کی تیاری  
کر رہے تھے۔ مجھے اس کا علم نہ تھا میں نے ابو سے کہا مجھے کار چاہیے۔ دوستوں  
کو منگلا دکھانا ہے۔ انہوں نے کہا اوکے چابی لو اور جاؤ۔ میں کار لے گیا۔ خوب  
سیر کی جب واپس آیا تو پوچھا اہی ابو کہاں ہیں انہوں نے کہا انہیں کہیں جانا تھا کار تو  
تمہارے پاس تھی سو وہ پیدل ہی چلے گئے۔

### فوج میں جانے کی نصیحت

ابو چاہتے تھے کہ میں جاؤں۔ ان کی شہادت سے پہلے جو آخری خط مجھے ملا  
اس میں انہوں نے کہا تھا۔ اب میں تو جا رہا ہوں اب تمہیں فوج میں جانا ہے اور  
میری جگہ لینا ہے۔ تمہیں ہمیشہ تیار رہنا چاہیے اور اپنے زیرِ کمان آدمیوں کو تیار رکھنا  
چاہیے تاکہ وہ اس ملک کے لئے اور اسلام کے لئے اپنی جانیں قربان کر سکیں۔

ابو کے بڑے گھرے اور پرانے دوست میر محمد سرور صاحب نے ہیں ابو  
کے بارے میں یہ قصہ سنایا۔ جب ہم طالب علم تھے تو مجھے ایک سکھ لڑکے نے چیلنج  
کیا کہ ہمت ہے تو میرے ساتھ آج رات لڑنا۔ جگہ اور وقت کا تعین کر دیا گیا  
چیلنج میں نے قبول کر لیا تھا لیکن میں دل میں ڈر رہا تھا چونکہ سکھ لڑکا طاقت ور  
تھا۔ میں حق نواز کے پاس گیا اور پوری کہانی سنائی۔ حق نواز نے کہا، فکر کی بات نہیں

میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

چنانچہ مقررہ وقت اور جگہ پر ہم دونوں پہنچ گئے۔ ادھر سے وہ سکھ بھی ایک حمایتی کو لے کر آگیا۔ حق نواز آگے بڑھے اور بولے سرور میرا دوست ہے تم اس کے ساتھ لڑو میں تمہارے دوست کے ساتھ لڑوں گا۔ یہ نئی شرط سن کر وہ سکھ گھبرا گیا۔ کیونکہ اسے اور اس کے دوست کو خوب معلوم تھا کہ حق نواز بڑے زبردست باکسر ہیں مار مار کر اس کا بھر کس نکال دیں گے۔ اس لئے وہ پیچھے ہٹ گیا اس طرح میری جان چھوٹی سوال ۱۔ اپنے ابو کے بارے میں آپ کوئی اور بات بتائیں گے۔

جواب ۱۔ غریبوں پر بڑے مہربان تھے اگر کوئی فقیر سامنے آجاتا تو بلا تکلف جیب میں ہاتھ ڈالتے اور جو ہاتھ میں آتا اسے دے دیتے۔ امی کہیں کہ کم از کم یہ تو دیکھ گیا کیجئے کیا دے رہے ہیں۔ حق نواز کا جواب ہوتا۔ بیگم میں اسے دے نہیں رہا وہ مجھ سے اپنا مقدر لے رہا ہے۔ میں کیا دیکھوں اور دیکھ کر کیا کروں۔

سوال ۱۔ ان کی کوئی غیر معمولی عادت۔

جواب ۱۔ گاڑی بے حد تیز چلاتے تھے ڈرامیونگ لائسنس انہوں نے کبھی نہیں بنوایا اگر لبا سفر ہوتا تو دوسری کاروں سے ریس کرنے لگتے جب دوڑ شروع ہو جاتی تو وہ ہر قیمت پر مقابل کار سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے۔ بڑک کے کسی اصول کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

جب میں ڈرامیونگ کر رہا ہوتا اور والد اور والدہ ساتھ ہوتیں تو ہمیشہ میری ماں کہتیں۔ اصغر اہستہ چلاؤ۔ آہستہ کرو، تو والد بول اٹھتے تم اپنی شادی پہ تو نہیں جا رہی ہو تیز کرو اور تیز اصغر۔

جب امار کی جنگ چھڑی تو میرے والد ریٹائرڈ ہو کر مشکلا میں رہ رہے



## ماموں زاد بھائی اور خسر کے تاثرات

میجر دریا ٹرڈ، محمد یعقوب صاحب اپنی جگہ عزم و ثبات کی ایک زندہ مثال ہیں۔ انٹی برس کے قریب عمر ہے۔ ۱۹۵۳ء میں پنشن پر آئے تھے حق نواز کے گھر کا سارا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں ان سے ہماری جو گفتگو ہوئی، آپ بھی سنیے۔

سوال ۱۔ یعقوب صاحب، حق نواز شہید سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟

جواب ۱۔ حق نواز میرے ماموں زاد بھائی تھے۔ مجھ سے عمر میں بیس بائیس برس چھوٹے ۱۹۲۸ء میں حق نواز کی شادی میری بڑی بیٹی عنایت بیگم سے ہوئی۔ اس طرح وہ میرے داماد بھی ہو گئے۔

سوال ۲۔ آپ بزرگ ہیں آپ کو علم ہو گا کہ حق نواز کو ملٹری کالج کے کمانڈنگ کرنل اسٹیننگ نے بیٹا سا بنایا ہوا تھا اس کی کیا کہانی ہے۔

جواب ۲۔ حق نواز کے والد اور بڑے ماموں اللہ دتہ ۲/۶ راجپوتانہ رائفلز میں صوبیدار تھے اور غام سے نہیں بڑے زور دار سردار تھے۔ ان کی صلاحیتیں حق نواز سے کم نہیں تھیں بلکہ زیادہ تھیں۔ اپنی پلٹن ہی نہیں پوری رجمنٹ میں ان کا نام تھا اور انگریز افیر ان کو بہت مانتے تھے۔ ان دنوں قبائلی علاقے میں شورش برپا رہتی تھی جنوری ۴۰ء میں صوبیدار اللہ دتہ خمدی سے آگے کشمیر کے علاقے میں تعینات تھے یہاں قبائلیوں نے ایک کنوائے پر کمین گاہ سے حملہ کیا۔ صوبیدار اللہ دتہ نے بجائے چھپنے کے سامنے آکر حملہ آوردوں کا مقابلہ کیا۔ اس جھڑپ میں اللہ دتہ اور چھ جوان کام آئے اس پلٹن کا کمانڈنٹ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل ایک تھا جو بعد کو لیفٹیننٹ جنرل ہو کر شروع میں پاکستان کا سی جی ایس بنا، اس نے کالج کے کمانڈنٹ کو چھٹی لکھی تھی



کہ صوبیدار اللہ دتہ کے لڑکے حق نواز کا خاص خیال رکھا جائے۔ اس وجہ سے اسٹیننگ حق نواز کے گارڈین سے بن گئے تھے۔

سوال ۱۔ سنتے ہیں کہ جوانی میں حق نواز کا رنگ اور تھا بعد کو صوفی صافی بن گئے اس کا کیا راز تھا؟

جواب ۱۔ جوانی میں بھی کوئی بڑی علت نہیں تھی بس شاہ خورشید تھے۔ لاہور کی طبیعت کے تھے۔ سیر و تفریح، فلم، سگریٹ، یار باشی کا شوق تھا۔ پھر کوہاٹ کے پیر صاحب گھمکول شریف کے اثر سے قلب روشن ہو گیا اور اللہ ہو کے نعرے بلند کرنے لگے۔ پیر صاحب سے ان کی عقیدت اس درجے کی تھی کہ وہ اپنے گھریلو معاملات بھی ان کے مشورے سے طے کرتے تھے۔ ان کی مذہب سے دلچسپی عملی اثرات رکھتی تھی۔

سوال ۱۔ وہ کیسے؟

جواب ۱۔ وہ اس طرح کہ مذہب ایثار اور اتفاق فی سبیل اللہ سکھاتا ہے وہ گھر والوں عزیزوں، غریبوں کے لئے فرشتہ تھے آنا اتفاق فی سبیل اللہ کرتے تھے کہ گھر کچھ بچتا ہی نہیں تھا، ریٹائرمنٹ کے بعد چار مربع زمین پٹے پر لے کر زمینداری شروع کی تھی۔ کھیتی باڑی کا ان کو بڑا شوق تھا کہتے تھے آزاد پیشہ ہے۔ اپنی محنت اور زور بازو کی حق ملال کی کمائی ہے۔ زمینوں پر خود ٹریکٹر چلاتے تھے مزدوروں کے ساتھ کام کرتے تھے رات کو ان کے ساتھ زمین پر سوتے بھی تھے۔ مزدوروں اور ان کے گھر والوں کا بڑا خیال رکھتے تھے جیسے ان کے اپنے بچے ہوں۔ گاؤں کے غریبوں اور بیواؤں کی چپکے چپکے مدد کیا کرتے تھے جس نے جو مانگا دے دیا۔ انکار کرنا تو وہ جانتے ہی نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت کے وقت ان کے بنکوں میں

ایک پیسہ نہیں تھا اٹا اچھا خاصہ قرضہ تھا۔

ان کی شاہ خرچی سے ہم بہت پریشان بلکہ عاجز تھے، شاید ہمارا ایمان حق نواز  
ساپختہ نہیں تھا۔ وہ یہی کہتے گہراؤ نہیں اللہ مالک ہے۔ جب اے میں دوبارہ  
فوجی خدمت کے لئے بلائے گئے تو اپنی بیوی عنایت سے کہنے لگے خواہ میں نہ آؤں  
پیسہ بہت ائے گا۔ یہ بھی شہید کی کرامت ہے۔ اب گھر میں ہر طرح کی فراخی ہے  
خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ ان کے بیوی بچوں کو تنگی نہیں ہوئی۔ ویسے  
پیسہ آدمی کا بدل نہیں ہوتا۔

سوال ۱۔ کشمیر سے حق نواز کیانی شہید بڑی محبت کرتے تھے اس کا کیا سبب ہے؟  
جواب ۱۔ ہم لوگ لکھڑ ہیں کشمیر سے ہمارا کوئی نسلی یا علاقائی تعلق نہیں ہے۔ کشمیر سے  
کیانی کی ساری محبت بلکہ عشق، پاکستان اور اسلام کی وجہ سے تھا۔ یہ عجیب اتفاق  
تھا کہ حق نواز نے اپنی فوجی زندگی کا بڑا حصہ کشمیر میں گزارا۔ اپنی زندگی کی تین جنگیں  
کشمیر ہی میں لڑیں اور ایک ہی علاقے میں یعنی وادی کیان یا لیپا ویلی کے علاقے  
میں ۱۹۴۸ء میں وہ پانڈو آپریشن میں شریک تھے۔ ۱۹۶۵ء میں ان کی رجمنٹ اسی  
علاقے میں تھی۔ یہیں سے انہوں نے کمانڈو ایکشن کئے۔ یہیں انہیں تارہ جرات  
ملا۔ ۱۹۷۱ء میں پھر اسی علاقے میں ۱۳۔۱۷ کے بٹالین کی کمان کر رہے تھے۔

سوال ۱۔ سنا ہے کہ کشمیری انہیں بہت چاہتے تھے۔

جواب ۱۔ چاہتے تھے اور اب بھی چاہتے ہیں کشمیر میں تو انہیں پیر بادشاہ سمجھا جاتا ہے  
کھوئی رٹ میں جو مسجد انہوں نے بنوائی تھی وہ ان کے نام سے موسوم ہے کشمیر  
میں تو ان کا باقاعدہ عرس ہوتا ہے۔ ان کے نام پر مدرسہ اور مسجد ہے ہر سال کشمیر  
سے ان کی برسی پر دو ایک کشمیری آتے ہیں اور ان کے مزار پر قرآن خوانی کر کے

چلے جاتے ہیں۔ اس سال بھی دو کشمیری اُسے تھے اپنی روٹی اپنے ساتھ لائے تھے قبر پر قسداں خوانی کرتے رہے اور وہیں سے رخصت ہوئے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ جب پونچھ مظفر آباد اور میر پور کے لوگوں کو پتہ چلا کہ کرنل حق نواز شہید ہو گئے ہیں تو وہ ان کے جسدِ خاکی کو یہاں لانے ہی نہیں دیتے تھے بھند تھے کہ ہمارا پیر ہے ان کا کشمیر میں اس کا مقبرہ بنائیں گے۔ وہ تو ہم بڑی مشکلوں سے ملبورت میں بند کر کے ان کی لاش کو مونہ پنڈلا سکے۔

سوال :- کوئی اور تاثر ؟

جواب :- اور یہ کہ شہید کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ اب شہید ہونے والے ہیں آخری دو تین دنوں میں انہوں نے سب کو خط لکھے۔ کئی سال ہوئے میری ملاقات سردار عبدالقیوم سے جو اس زمانے میں آزاد کشمیر کے صدر تھے، ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ان کی شہادت سے کچھ دن پہلے مظفر آباد میں کرنل کیانی سے ملے تھے۔ سردار قیوم کہتے ہیں۔ مجھے تو اس شخص سے مل کر ہی یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص شہادت حاصل کر کے رہے گا۔

سوال :- یعقوب صاحب حق نواز شہید کو دوبارہ ستارہ جرات ملا۔ اس اعزاز کے علاوہ بھی حکومت کی طرف سے کوئی اعتراف ہوا۔

جواب :- جی ہاں۔ ۱۹۷۴ء میں جب جنرل ضیاء صاحب لیپاویلی گئے تو شہید

کے کارناموں کی تفصیل سنکر انہوں نے اسی جگہ کا نام جہاں وہ شہید ہوئے تھے کیا "رکھ دیا ہے۔ اب تمام ملٹری نقشوں میں بھی یہ نام لکھا جائے گا اس کے علاوہ جہلم کینٹ کی اس سڑک کا نام جس پر ان کا گھر ہے جتھواڑ کیانی روڈ ہے۔ ملٹری کالج جہلم میں جہاں انہوں نے خصوصی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ کوئی جگہ



ان کے نام سے موسوم ہے۔ ستارہ جرات کے تمنوں کے ساتھ جو فوائد میں وہ حاصل ہیں لیکن اصل عزت اور اصل فخر تو وہ ہے جو قوم کے دل میں کیانی کے لئے ہے۔ خدا شہید کے درجات بلند کرے! اسکی زندگی بھی پر خلوص تھی۔ انجام بھی پر خلوص ہوا۔

## بھتیجے کی یادیں

کرنل حقنواز شہید کے بھتیجے پروفیسر محمد آزاد بخت کیانی نے ایک انٹرویو میں بتایا۔ جب ۴۵ کی جنگ میں کمانڈو ایکشن کے لئے جانے لگے تو گھروالوں سے کہا اگر میں شہید ہو جاؤں تو مجھے (کوہاٹ میں) پیر صاحب گھمکول شریف کوہاٹ میں دفن کیا جائے۔

۵۴ میں جب میں گارڈن کالج سے ایف ایس سی کر رہا تھا تو میں نماز کا بڑا پابند تھا اور شام کو کھیلوں وغیرہ کے لئے بھی گھر سے کم ہی نکلتا تھا۔ چچا حقنواز ایک روز شام کو آئے میں عصر کی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ نماز میں کچھ دیر لگی یا نہیں محسوس ہوئی۔ جب میں نے سلام پھیرا تو کہنے لگے نمازیں بھی پڑھتے رہے ہو کچھ اور بھی کیا کرو۔ اس واقعہ کے چارچھ برس بعد غالباً ۷۲ء کی بات ہے کہ میں انگریزی ادب کے مطالعے کے زیر اثر کچھ نماز روزے میں غفلت برتنے لگا تھا چچا حقنواز سے ان کے سلسلے ڈاکٹر مقصود کی کوٹھی پر ملاقات ہوئی جسے کی نماز کا وقت تھا۔ چچا نماز کی تیاری کرنے لگے تو میں نے ادھر ادھر ہونا چاہا۔ پوچھنے لگے نماز کو نہیں جانا۔ میں نے بہانا بنایا کہ کپڑے ٹھیک نہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ میں کترار ہا ہوں بولے پہلے تو تم نماز کے بہت پابند تھے اب سست کیوں ہو گئے ہو؟ میں نے چھ برس پہلے کا واقعہ یاد دلایا کہنے لگے وہ دور ہی جہالت کا تھا۔ پیر صاحب کے فیض سے میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔

ان کی بیٹی پردین کی شادی پرمیہار شاد کے ہاں دہلیہ تھا۔ یہ بے دکی بات ہے کشمیر کا ذکر آ

گیا کشمیر کے معاملے میں وہ بہت جذباتی تھے کشمیر کی آزادی سے انہیں جنون کی حد تک لچھی تھی۔  
میں نے کہا مقبوضہ کشمیر کیسے آزاد ہوگا کہنے لگے ایک ہی طریقہ ہے اگر ہم سب کفن سر پہ باندھ لیں تو کشمیر  
آج آزاد ہو سکتا ہے۔

۷۷ء کی جنگ چھڑنے پر جب انہیں دوبارہ فوج میں بلایا گیا تو شہادت سے چند روز پہلے انہوں نے  
سب قریبی عزیزوں کو خط لکھے! اپنے بھوپھی زاد بھائی اور مسیحہ ریٹائرڈ یعقوب صاحب کو لکھا۔  
میں اس عمر میں اپنا بوجھ آپ پر ڈالے جا رہا ہوں۔

مارچ ۷۲ء کا واقعہ ہے کہ ہمارے کالج میں کسی تقیب میں آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار  
عبد القیوم تشریف لائے۔ میں نے انہیں چچا کی پہلی برسی پر تشریف لانے کی دعوت دی۔ فرمایا کشمیر کا  
بچہ کچھ حقو از کو جانتا ہے۔ میں خود ان سے شہادت سے پہلے ملا تھا۔ مجھے اسی وقت انکے تئیر دیکھ کر اندازہ  
ہو گیا تھا کہ یہ شخص ضرور شہادت پائے گا۔

ایک مرتبہ ۷۵ء کے کمانڈو ایکشن کا مقدمہ چھڑ گیا تو بتلائے گئے کہ وہ ایکشن ہم نے تہجد کی نماز  
کے بعد شروع کیا۔ اس وقت "لالے" اور "سنگھ" اپنے اشران وغیرہ میں مصروف تھے۔ ہم نے ان کو اچانک  
جالیا اور تمام کمپنی کا صفایا کر دیا۔ ایک انڈین کرنل جو پاک تان کو غلخانے سے تہیہ دینا تھا۔ وہیں  
غلخانے میں جہنم داخل کیا۔ اس ایکشن میں ہمارے صف چند مجاہد شہید ہوئے تھے۔ ایک مقام پر  
وہ بہت جذباتی ہو گئے۔ جب انہوں نے بتلایا کہ کس طرح کشمیری بڑھیا نے ان کو پناہ دی اور ان کی  
کامیابی کی دعا مانگی۔ کیا فی شہید کہنے لگے کہ ہماری کامیابی ان بزرگوں کی دعاؤں کی مرہون منت تھی  
آخر میں میں یہ بتاؤں کہ وہ بدلے کیسے۔ چونکہ مجھ سے بے تکلف تھے اکثر اپنے دل کی باتیں مجھ  
سے کر جاتے تھے۔

## بیوی کے نام کے نقل

ایک روز میں نے پوچھی لیا۔ چچا جان سا ہے آپ جوانی میں بڑے مختلف ہو کرتے تھے؟



آخر یہ انقلاب کیسے آیا تو کہنے لگے کہ بیٹا یہ سب تبدیلی تمہاری آئی کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ "عنایت" میری شریک حیات ہے ورنہ پتہ نہیں کیا ہنگ ہوتا۔ وہ اللہ کی اس عنایت کا شکریہ منصب کی نماز کے بعد اس طرح ادا کرتے تھے کہ دو نقل اپنی بیوی کے نام کے بھی پڑھتے تھے۔

## دعا کی تاثیر

مجھ سے ایک بار ۶۵ء کے کمانڈر ایکشن کا پورا واقع بیان کیا جس کے لئے پہلا ستارہ جبرأت دیا گیا تھا پھر کہنے لگے: "بغیر ہے میں کیوں کامیابی ہوئی؟ پھر خود ہی وضاحت کی۔ جب میں ایکشن سے واپس آ رہا تھا تو راستے میں کشمیر کی ایک بنگ خاتون ملیں۔ میسر سر پر ہاتھ پھیلا کر مجھے دعائیں دیں۔ اور کہا بیٹا اللہ تمہیں کامیاب کرے گا۔ پھر مجھے سے کہا: آزاد رہ ان بزرگ مل کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں ان خطرناک حالات میں کامیاب ہوا اور سنا جب وہ خاتون مجھے دعائیں دے رہی تھی تو مجھے بالکل ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ جی مجھے دعائیں دے رہی ہیں۔ یاد رکھو بزرگوں کی دعاؤں میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔"

۴۸ء کی کشمیر کے جہاد آزادی میں شادی کے تیسرے دن محاذ پر چلے گئے تھے ایک پہاڑی پانڈو پر ایکشن کیا تھا۔ چچا اپنی بھرتی اور تیزی کی وجہ سے کبوتر کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ۵۹ء کراچی میں تھے تو بدل چکے تھے۔ گھر میں پیر بھائیوں کے ساتھ اونچی آواز سے اللہ ہو کا کادرب کھاتے تھے جو بعض کو پسند نہیں آتا تھا۔

چچا شاہ خرم تھے۔ جمع بھی کچھ نہیں کیا تھا۔ جب اے میں لام پر جانے لگے تو مسز نے کچھ مالی تردد کا اظہار کیا جواب میں کہا شاید میں واپس نہ آؤں لیکن پیسہ بہت آئے گا۔ گھر او نہیں خوشام پسند بالکل نہیں تھے۔ بلکہ حد درجہ کے منہ بھٹ تھے۔

عملی زندگی میں برہشم کی طرح نرم تھے۔ ایک دن گداؤں مرنے پڑ گئے۔ ایک عجی کسی وجہ سے

لامرض بھتیں اینہوں نے کنکریاں تک پھینکیں۔ یہ سب کچھ سہتے رہے بلکہ معافی کے خواستگار ہوئے۔  
چچا کے والد صوبیدار صاحب ۳۸ برس کی عمر میں لڑائی میں کام لےئے تھے جب خوردہ ۲۸ برس  
کے ہوئے تو والد سے کہا کہ تھے کہ اب میرا وقت دور نہیں۔

یہ واقعہ میں نے سنا ہے کہ ۴۲-۴۱ء کی محاذ آرائی میں سیالکوٹ جموں میکر میں دشمن  
کے عین سامنے پلٹن کے ساتھ جینے کی نماز پڑھی کسی نے کہا اُدھکے گولیاں آرہی ہیں اور آپ سب  
نماز کے لئے کھڑے ہیں جتنا نواز نے کہا اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہوگی کہ ہم نماز پڑھتے ہوئے  
شہید ہو جائیں۔

بہت تیز ڈرائیو کرتے تھے ایک روز یعقوب صاحب کو پیچھے بٹھا کر سکوتر چلا رہے تھے۔  
یعقوب صاحب نے یہ کہہ کر ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دیا تبہیں تو زندگی نہیں چاہتے تھے تو چاہیئے۔  
پر دموشن سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ ۴۵ء کے بعد ستارہ جرات کی وجہ سے لیٹننٹ  
کرنل ہوئے تھے اس کے بعد بھی ملازمت کے آداب نبھا نہیں سکے تھے۔

## داماد کی باتیں

میر عبد ارشاد کرنل کیانی کے داماد ہیں۔ ان کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ ۷۱ء کی جنگ  
کے بعد یہ بھارت کی قید سے فرار ہو کر سب سے پہلے پاکستان پہنچے یہ واقعہ کیانی شہید کی پہلی برسی  
پر کا ہے اس جرات مندانہ اقدام کے لئے حکومت جرات نیا گیا میر عبد ارشاد لکھتے ہیں۔  
بھارت کے خاوند اکرمی کے فرار ہونا ایسا کام تھا جس میں کامیابی کا تناسب ایک  
اور دس کا تھا۔ مجھے یہ خطرہ مول لینے کی جرات کیانی صاحب کی تعلیم و تربیت سے ہوئی۔ وہ مجھ  
سے کہا کرتے تھے ”ارشاد لڑائی میں دشمن کا مقابلہ آگے بڑھ کے کرنا چاہیئے پھر کہتے موت  
برقی ہے لیکن سب سے اچھی موت میدان کارزار میں جرات مندانہ موت ہے۔“

وہ بہت ہی کامیاب کمانڈر تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے دل میں آگ بھردیا کرتے۔ انکی قیادت کا راز یہ تھا کہ وہ خود آگے لگے رہتے تھے جو دوسروں سے کرانا ہوتا۔ وہ سب سے پہلے اور سب سے بہتر خود کہتے تھے۔

بچوں کی تربیت کرنے کا بھی ان کا یہی طریقہ تھا۔ وہ چاہتے تھے بچے اپنے ماں باپ کا ارادہ کرنا سیکھیں اور انکی خدمت کریں۔ یہ سبق انہوں نے اپنے بچوں اور ہمیں اس طرح سکھایا کہ انہوں سال دو سال نہیں پورے تیس برس تک اپنی سوتیلی ماں کی خدمت بھی اس طرح کی کہ کوئی سگی ماں کی خدمت کیا کرے گا۔ خدمت میں اور محبت میں ان کا جواب نہ تھا۔ آخر زمانے میں انہیں تصوف بڑی دلچسپی ہو گئی تھی لیکن ان کا تصوف عملی زندگی کا تھا۔

## شہادت کی تمت

موبیدار میجر محمد محبوب لکھتے ہیں۔

حقنوار کیا فی ریسے بھوپھی زار بھائی بھی اور ہیر بھائی بھی میں نے انکی خلوت و جلوت کے بہت سے ایسے جلوے دیکھے ہیں جو شاید دوسروں نے نہ دیکھے ہوں۔ شہادت کی عشق کو حد تک جوشید تمنا آخری سالوں میں ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ اسکو سمجھنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انکے دل کے نہاں خطنے میں نہ جھالکا جائے۔

اصل میں وہ صرف ایک طرح اپنے جسمانی وجود کو اپنے اور اپنے محبوب حقیقی کے درمیان ایک حجاب تصور کرتے تھے۔ وہ شہادت کے ذریعے اس پرے کو اٹھانا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ اتنے بے چین تھے کہ کوئی اپنے مجازی محبوب کے بارے میں کیا ہوگا۔ ایک دور وہ تھلنے پھلنے پر صلب گھمکول شریف سے بیعت ہوئے تھے۔ وہ دن انکے جذب عشق کی سہستی کے دن تھے۔ یہ غالباً ۱۹۴۰ء کی بات ہے۔ میں بھی ان دنوں سگنڈ کی ایک بٹالین کے ساتھ ملیر کراچی میں تعینات تھا۔ اکثر

سرشام گھمکول کے بہت سے مرید جن میں ہر سماجی مرتبے اور درجے کے لوگ تھے۔ ان کے یہاں جمع ہوتے تھے امداد گئے تک اللہ ہو۔ اللہ ہو کا ورد چلتا۔ اکثر وہ اپنی یونٹ سے واپس آکر ایک کمرے میں بند ہو جاتے اور دنیا مافیہا سے بے خبر اپنے وید و طائف میں مصروف بلکہ مستغرق رہتے۔ اس زلزلے میں وہ اپنے گھر بار کی ساری فہم داریاں ایک طرح سے خیر باد کہہ چکے تھے گھر داری اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا سارا بوجھ سیکم حقنواز کے کندھوں پر تھا۔ اس صورتحال سے ان کے سارے عزیز و اقارب اور دوست احباب پریشان تھے۔ خدا بھلا کرے لے جی پی آر کے اکاؤنٹ جنرل صوفی سہرا زخان کا کہ وہ بھی صاحبِ دل اور صاحبِ نظر بزرگ تھے۔ وہ ایک آدھ بار طے آئے تو کیانی کو اپنے اشغالِ روحانی میں مصروف پایا۔ انکو جب پتہ چلا کہ صورت حال یہ ہے کہ تو انہوں نے قرآن و حدیث کے حوالے سے بڑے عالمانہ انداز میں کیانی صاحب کو سمجھایا کہ روحانی ترقی کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ انسان اپنی خاندانی اور انسانی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرے۔ یہ تو رہنمائی ہے اس سلسلہ میں انہوں نے رسولِ کریم کے اسوۂ حسنہ کو دلیل بنا کر انہیں سمجھایا تو حقنواز نے پھرے نادل ہو گئے لیکن دل کی لگی بجھی نہیں۔ دست بکار دل بہار، انکی زندگی کی صورت تھی۔

۱۹۷۰ء میں ریٹائرمنٹ ہو کر منگلا میں تھے جہلم سی ایم اے کے قریب کاشت کے لئے پٹے پر زمین کے لئے تنگ دود کر رہے تھے۔ بظاہر ان کے حالات ٹھیک ٹھاک تھے لیکن پھر بھی بے چین سے رہتے تھے ایک روز جہلم کے ایک دوست راجہ خدا داد خان نے ان سے پوچھا۔ کیانی صاحب

سب کچھ خدائے دیہے اب آپ اند کیا چاہتے ہو؟

کر نل کیانی نے بے ساختہ کہا۔ شہادت

اظہار میں ہے اور عرض بیاں میں ہے

وہ کیف و انبساط جو ربط نہاں میں ہے

پر دے تکلفات کے تو اٹھ گئے تمام

لیکن ابھی حجاب سا کچھ درمیاں میں ہے

۱۷ دکی جنگ میں جب دوبارہ جنگ پڑ جانے لگے تو گھر کے ہر فرد سے فرداً فرداً رخصت ہوئے کسی کے سر پر ہاتھ پھیرا کسی کو سینے سے لگایا کسی کو پیار کیا لیکن جب بوڑھی ماں کے پاس پہنچے تو انکے پیروں پر گر گئے۔ انہوں نے گلے لگا کر دعائیں دیں۔ مولا تجھے جیتا رکھے۔ خیر نال جا۔ خیر نال آ۔ اللہ تجھے اپنی امان پر رکھے۔ حقنواز نے سر جھکا کر کہا۔

بے جی! یہ دعا کریں کہ مجھے شہادت مل جائے۔

بھائی حقنواز سے میری آخری ملاقات یا گفتگو فون پر ہوئی۔ یہ ۱۹۷۲ء مئی کی بات ہے۔ میں چھب میں تعینات تھا۔ ان کی بیٹی سیمی کی شادی ۵ مئی ۱۹۷۲ء کو قندار پانی تھی۔ میں فون پر اس سلسلے میں مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتا تھا تا کہ وقت پر مٹی کی شادی میں شرکت کر سکوں۔ خلاف معمول انہوں نے بہت مختصر گفتگو کی۔ جس میں سیمی کی شادی کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس وقت وہ لیپا دیلی میں آپریشن کی تفصیلات طے کرنے میں لگے ہوئے تھے اور اپنی بیٹی کے بارے میں سوچنے کا ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ سب کو معلوم ہے ۵ مئی کو جس وقت سیمی کو ڈولی میں بیٹھنا تھا باپ کا تابوت گھر پہنچا تھا۔

## مجاہد راج محمد کی یادیں

۱۹۷۵ء کی جنگ میں جن دو کشمیری لڑکوں کو حقنواز کیانی نے اپنا بیٹا بنایا تھا۔ انہوں نے واقعی بیٹا بننے کے رکھا بھی۔ ان دونوں کو ذمہ داریاں الاٹ کر دیں، شادیاں کر دیں، غرضیکہ ہر طرح لولہ د کی طرح رکھا۔ جو کچھ کیانی شہید نے ان مجاہدوں کے لئے کشمیر اور پاکستان کے ناطے سے کیا۔

مجاہد راج محمد پانچ چھ برس ہمراز کی طرح کیانی شہید کے ہم رکاب ہے۔ جتنے قریب سے راج محمد نے دیکھا اور پرکھا۔ اتنا کسی اور نے نہیں دیکھا اور پرکھا۔ اس لئے ہم نے راج محمد سے



ایک طویل انٹرویو یا حقنواز کی شخصیت و کردار پر اگر کچھ اور نہ بھی کہا یا لکھا جائے تو صاف ہی ایک انٹرویو ان کے تابناک کردار کے تعارف کے لئے کافی ہے۔ یہ تفصیلات وہ ہیں جن سے لنکے گھر والے بھی بے خبر تھے۔ اس ضروری تمہید کے بعد مجاہد راج محمد کا انٹرویو حقنواز کے خاندان کے ایک فرد کی سی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

سوال :- آپ کو کرنل حقنواز کے ساتھ ۴۵ء سے ۷۲ء تک رہے! انہوں نے آپ کو اولاد کی طرح پالا اور پرورش کی۔ آپ کا اور عام کشمیریوں کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب :- میں تو یہ کہوں گا کہ اس دنیا میں میں نے کوئی ایسا نیک اور دلیر انسان اب تک نہیں دیکھا۔ بہادری، دلیری اور نیکی ان پر ختم تھی بڑے سخی، غریب پسند تھے۔  
سوال :- ابھی آپ نے کہا ہے کہ بڑے سخی اور غریب پر دستھے، یہ نتیجہ آپ نے جن واقعات معاملات سے نکالا ہے۔ انکی دو ایک مثالیں دے سکیں گے۔

جواب :- جناب کرنل صاحب تو سخی بادشاہ تھے مظفر آباد کشمیر کے بچے بچے کی زبان پر ان کا نام ہے ہم لوگ تو انکو فرشتہ سمجھتے تھے پیر بادشاہ بلکہ اس سے بھی بڑھکر۔ صرف ایک واقعہ سناتا ہوں (انکو آپ اپنی زبان میں لکھ لیجئے گا) ۱۹۴۸ء میں جب کرنل صاحب لفٹیننٹ تھے اور کشمیر کے ملحقہ پانڈو میں جنگ کر رہے تھے تو وہاں انہیں تلی ملا تھا، کالا خان نام تھا اس کا۔ انکی پلٹن کا کچھ سامان دھونے کا کام کرتا تھا کہ صاحب کے میل ملاپ ہو گیا تھا۔ ۴۵ء کی جنگ ستمبر میں اس سے پھر ملاقات ہوئی۔ کٹھالی کے مقام پر کرنل صاحب نے اسے ملازم رکھا۔ مجاہدوں میں، اب بوڑھا ہو چکا تھا اور موضع مظفر آباد چناری میں رہتا تھا۔ فروری ۷۲ء میں لنکے ساتھ تھا۔

ہم بریگیڈ کے ساتھ چناری بازار سے گزر رہے تھے۔ کرنل صاحب کو کچھ یاد آگیا گاڑی رکوا کر کالا خان کے بارے میں پوچھا کہ کالا خان کہاں ہے۔ دوکانداروں نے بتایا کہ وہ گرفت ہو گیا ہے۔ یہ سن کر صاحب گاڑی سے اتر پڑے۔ مجھ سے بولے چلو بیٹے کالا خان کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پوچھتے پوچھتے کالا خان کی قبر پر پہنچے۔ قبر کا بُرا حال تھا۔ بیچ سے مٹی پھٹی ہوئی تھی کہنے لگے خدا کسی کو غریب نہ کرے پھر اسی طرح مددی میں ادھر ادھر سے پتھر اٹھائے مٹی جمع کی اور قبر کی مرمت کرنے لگے۔ ایف ایف آر کا ایک حوالدار ساتھ رہا، کہنے لگا صاحب آپ کرنل ہو کر قبر پر مٹی پھتر ڈال رہے ہیں۔ یہ کام ہم نے کرنا ہے۔ کیا فی صاحب نے کہا نہیں یہ کام میں خود اپنے ہاتھ سے؟ کام کروں گا۔ قبر پر دوچار پھتر جمایا کہ ہم نے فاتحہ پڑھی پھر کالا خان کے گھر گئے۔ اسکی بیوہ اور بچوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ کیا فی صاحب نے بیوہ کو پانچ سو روپے دیئے اور بچوں کو سو سو روپے دیئے منطف آباد میں بریگیڈ ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہاں سے ایک بار پھر مجھے لے کر آئے اور کالا خان کی قبر کے آس پاس سیب کے درخت لگوائے۔ کہنے لگے جو سیب کھائے گا۔ کالے خان کو یاد کرے گا۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں یہ خبر پھیل گئی تھی۔ دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہیں کچھ ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ اس شخص کو اپنی کرنیلی کا لحاظ نہیں اپنے ہاتھ سے پھتر ڈھونڈنا ہے اور مٹی چڑھانا ہے۔ لیکن عام کشمیری ان پر جان دے دیتے تھے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے پوٹھواری تحصیل منڈواڑہ مقبوضہ کشمیر کا ایک شخص تھا عباس نام تھا اسکا۔ اسکی ایک ٹانگ ۶۵ میں بارودی سرنگ سے اڑ گئی تھی۔ زخم خراب ہو گیا تھا۔ بیچارہ سولین تھا۔ اس کا علاج سی ایم ایچ میں نہیں ہو سکتا تھا۔ کیانی نے اپنے پیسوں سے اس کا علاج منطف آباد کے ہسپتال میں کرایا جب ہسپتال سے باہر آیا تو پندرہ سو روپے نقد دیئے۔ اور کہا ان سے کام چلاؤ۔ وہ ایسا بد قسمت تھا کہ اس کا کام نہ بنا تو قریب ایک سال بعد چناری بازار سے گزر رہے تھے کہ عباس کو نہایت خستہ حال میں سڑک کے کنارے بیٹھے دیکھا پہچان لیا پوچھا کیا

حال ہے۔ وہ رو پڑا۔ کہنے لگا بالکل خالی ہیں کبھی فاقہ کبھی روٹی۔ کرنل صاحب اسکو گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ مظفر آباد لے آئے۔ دو تین ہفتوں میں اسکو دو کمرے رہنے کے لئے بنا کر دیئے اس سے پوچھا کیا کر دے گے؟ اس نے کہا چار خانہ چلا سکتا ہوں۔ کرنل صاحب نے آٹھ سو روپے لگا کے کچھ سامان لئے سی ایس ڈی سے خرید کر دیا کچھ بازار سے لیا اور اسکو چار کی دوکان کھلوا دی۔ وہ عباس خان اب خوشحال ہے اور کرنل صاحب کو دعائیں دیتا ہے۔

کرنل بڑے اللہ لوگ تھے کافروں سے لڑنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا انکے ہی دو کلم تھے راتوں کو بہت کم سوتے تھے۔ عشاء کے بعد ذکر کرتے تھے اللہ ہو، اللہ ہو کبھی اکیلے کبھی بیسیوں، بلکہ سینکڑوں ان کے ساتھ رات گئے تک ذکر کرتے رہتے تھے تہجد بانا غہ پڑھتے تھے۔ بادھو ہتے تھے لیپا دلے ایکشن میں سر پر کفن باندھا ہوا تھا۔ جب لڑائی کے لئے نکلے وہ نفل پڑھ کے بادھو نکلے تھے۔

لیپا میں منڈل کے مقام پر انہوں نے ایک مسجد بنائی تھی۔ دوپہر کی نماز کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے تک خود بھٹہ ڈھو کر لاتے تھے۔ کھوئی رٹہ میں بھی انکی پلیٹن نے بڑی شاندار مسجد بنائی تھی۔ اس مسجد کے بنانے میں بھی کرنل صاحب نے مزدوروں کی طرح کام کیا تھا۔

سوال :- کچھ آپ بھی اپنے باپے میں بتائیے کہ آپ کے ساتھ کرنل صاحب نے کیا کیا سلوک کئے؟

جواب :- کرنل صاحب تو مہارے لئے مہارے مائی باپ بلکہ ان سے زیادہ تھے۔ ایک ایسی کہانی ہے۔ ۶۵ء کے جہاد کشمیر میں ہم دونوں (میں راج محمد اور امام دین) کرنل صاحب کے ساتھ ہوئے۔ پھر حالات ایسے ہوئے ہمیں اپنا گھر بار بارہ مولائی چھوڑنا پڑا۔ پھر کرنل صاحب نے ہمیں ۳۴ مجاہد کمپنی میں بھرتی کرا دیا۔ کرنل صاحب جنگ کے بعد مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ کرنل صاحب لاہور میں ۱۰۳ بریگیڈ میں تھے اور ایسٹ پاکستان

تبادلہ ہونے والا تھا۔ ایک روز کرنل صاحب نے پوچھا مجاہد اب کیا کر دے گے میں تو مشرقی پاکستان جانے والا ہوں۔ میں نے کہا میرا خیال ہے ڈائوننگ سیکھ لوں اور ٹیکسی چلاؤں۔ بولے کتنا روپیہ ہے میں نے کہا تین ہزار اور یہ روپے انکے حوالے کئے اس میں کچھ پیسہ تو اپنی کا دیا ہوا تھا اور کچھ باقی تنخواہ کا جمع کیا ہوا تھا۔ کرنل صاحب ایک دن مجھے ہنڈی لے گئے اور دس سو سو ساڑھے سترہ ہزار روپے میں خرید کر دی میں اسکی قیمت سے کچھ بچکچا یا۔ کہنے لگے تم روپے کی نکر نہ کرو اپنی پسند کو دیکھو۔ کرنل صاحب دفتر سے آکر مجھے خود ڈائوننگ سکھاتے تھے۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کے ایک انسٹرٹ کہا بھی کرنل صاحب آپ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسے بڑی جھاڑ پلائی کہا یہ میرا ذاتی معاملہ ہے آپ دخل نہ دیں کئی مہینے تک وہ مجھے کارڈ ڈائوننگ کرنا سکھاتے رہے ایک آدھ بار استاد کی طرح مارا بھی بھرا پی پی آر میں جانے سے پہلے ہنڈی میں مجھے ایک ڈائوننگ کے سپرد کر گئے کہ اسکے ساتھ کام کرو اور ساری فالتو آمدنی اسے دو کرنل صاحب۔ ۱۰ مہینے بعد بنگال سے واپس آ گئے میں نے کہا اب آپ آگئے تو مجھے ٹیکسی کا کیا کہنا میری دلچسپی اس میں نہیں تھی چنانچہ کارڈ وخت کر دی پھر تقریباً سال بھر لاہور میں برکی کے علاقے میں ان کی زمین پر کام کیا۔ پھر ۱۹۴۸ء میں کھاریاں واپس آ گئے۔ ۴۹ء میں انہوں نے جہلم میں کچھ زمین پٹے پر لی۔ اس پر کام کرنے لگا۔ ٹریکٹر وغیرہ چلاتا تھا۔ ان دنوں کرنل صاحب ۱۰ لے کے رجمنٹ میں کھوئی رٹ میں تھے۔ مہینے کے مہینے آتے تھے۔ ایک روز مجھے دوسرے کو روٹی پکاتے دیکھا تو بولے یہ کیا تم خود روٹی پکاتے ہو؟ دیکھو اس بات کا تو خیال ہی نہیں رہا۔ اچھا اس کا بھی انتظام کرتے ہیں۔ چنانچہ کرنل صاحب کے گھر والوں نے میری شادی کرادی۔ ۱۰۔ اقبالے زبید دیا اور گیارہ جوڑے کپڑے جب

کرنل صاحب چھٹی پر آئے تو ۱۰۰ روپے سگریٹوں کے لئے دیئے اور ایک ہزار روپیہ ادویہ کے خرچ کے لئے دیا۔ کرنل صاحب نے ۱۴۰۰ روپیہ مجاہد کپنی چھوڑتے وقت بھی مجھے دلوا دیا تھا۔

نومبر ۱۹۴۵ء میں جب دوبارہ جنگ پر بلوایا گیا تو میرے پاس آئے بولے بیٹے چلو پھر وقت آن پہنچا۔ کچھ کرنے کا میں لنکے ساتھ منگلا آ گیا۔ جب رخصت ہونے لگے تو انکی والد نے کہا کسی ریکارڈ آفس یا سنٹر میں رہنا آگے نہ جانا۔ یہ سنکر انہوں نے اپنی بڑی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور کہا میں کوئی کلرک نہیں کہ سنٹر میں یا ریکارڈ آفس میں کام کروں۔ اپنے مجھے پال پوس کرنا بڑا بال بچوں والا کیا۔ آج آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں یہ تو مجھے دارغ لگانے والی بات ہے منگلا سے وہ ایٹ آباد گئے ہیں مانسہر گیا۔ پھر منطف آباد گئے ایک دواہ چکوٹی میں ہے پھر انہوں نے لیپا میں کمان سنبھالی۔

کرنل صاحب اور لنکے خاندان والوں خاص کر میرے عقیوب کی کوششوں سے ہم دونوں مجاہدوں کو آدھا آدھا مترلع شور کوٹ ضلع جھنگ میں زمین ملی ہے۔ بال بچوں کے ساتھ رہتا ہوں اور اس سخی اور درویش افسر کو دعائیں دیتا ہوں جتنو از ایسے لوگ کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان ایسا دلیر آدمی میں نے نہیں دیکھا اور ان ایسا دانا بھی۔

## حقنواز کیانی شہید دوستوں، ساتھیوں اور ہم عصروں کی نظر میں

### ۵۸۵۔ بریگیڈیئر محمد صادق خان کی یادیں

ایک چیز مقناطیسی شخصیت بھی ہوتی ہے جتنو از کیانی صحیح معنوں میں ایک مقناطیسی شخصیت کے مالک تھے جن لوگوں کو جتنو از کیانی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے۔ وہ کبھی انہیں نہیں بھول سکتے۔ وہ جلال و جمال کا ایک عجیب و دلپذیر مرکب تھے اور جب ان پر تصوف و سادگی



کاغذ برآورد یہ اقبال کے مردِ مجاہد کی ایک عملی تصویر بن گئے تھے۔

۱۹۴۲ء میں کیانی سے رسمی تعلقات پیدا ہوئے۔ بعد کو ان تعلقات نے غیر رسمی اور برادرانہ تعلق کی صورت اختیار کر لی۔ اس تعلق پر مجھے غور ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

کیانی بلٹری کانج کے بہترین طالب علموں میں سے ایک تھے اور اپنے وقت کے غالباً بہترین۔ ۱۹۴۲ء میں کانج کی ٹالین کے پہلے ایجوکیشنل مقرر ہوئے تھے۔ ۱۹۴۳ء میں کانج کے میڈیو لائے رہے۔ حقنواز کیانی کے سینئر کیڈٹ آفیسر بننے کی ان بان کو اس دور کا کوئی کیڈٹ بھول نہیں سکتا۔ کرنل ٹی ایچ ایل اسٹینگ کمانڈنٹ تھے۔ وہ ڈسپلن کی سخت ترین کلاسیکی روایتوں پر یقین رکھتے تھے۔ اسی کے مطابق وہ ہماری تربیت کرتے تھے حقنواز پر وہ خاص طور پر مہرمان تھے۔ اس لئے ان کی تربیت انہوں نے سخت ترین اصولوں کے مطابق کی۔

حقنواز اکھڑے بدن کے تھے لیکن توانائی ان میں بہت زیادہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ کانج کی ہاکی، فٹ بال، باکسنگ ٹیم میں تھے۔

اس زمانے میں کمیشن کے لئے مسجید چیدہ لڑکوں کو بھیجا جاتا تھا۔ حقنواز پہلے بیچ میں سے تھے۔ جسے براہ راست کمیشن کے لئے اوٹی ایس ہو بھیجا گیا۔ اوٹی ایس ہو سے انہیں راجپوتانہ رائل فورسز میں کمیشن ملا جو بجائے خود ایک اعزاز تھا چونکہ رائل فورسز میں نمایاں کارکردگی کے حامل افسروں کو لیا جاتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد حقنواز کو پاکستان آرمی کی نامزد م بلوچ (بعد کو ۱۱) بلوچ رجمنٹ میں پوسٹ کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں کمیشن ملنے کے بعد مجھے بھی م بلوچ (اب ۱۱ بلوچ) میں پوسٹ کیا گیا۔ ۱۱ بلوچ اس زمانے میں ایٹ آباد میں تھی جب میں ایٹ آباد پہنچا تو ایک بار پھر حقنواز کیانی کا ساتھ ہوا اور بہت قریب سے انہیں دیکھنے کا موقع ملا کسی کو قریب سے دیکھنے کا نتیجہ عموماً اچھا نہیں ہوتا۔ دور کے ڈھول، سہانے والی بات ہوتی ہے لیکن حقنواز کو قریب سے دیکھ کر میرے دل میں انکی قدردان عزت بڑھنے لگی۔ وہ اپنے غیر سب کے لئے ایثار کرنے کے لئے تیار رہتے تھے جب خرچ کرنے پر آتے تو لاگے

پچھے نہیں دیکھتے تھے مصلحت کسی قسم کی ہر ایک ایسی چیز تھی جس کے وہ قائل نہیں تھے۔

چھ سال کے بعد میں نے لکھے اندر ایک واضح تبدیلی محسوس کی یہ تبدیلی روحانیت اور تصوف کی طرف تھی اور میں بھی شدت تھی روحانیت اور تصوف کی طرف رجحان کو ہاٹ کے ہر صاحب کافقان تھا جو ایک عرصے سے اس پلٹن سے وابستہ تھے اور ایک لحاظ سے پوری پلٹن کے پیر تھے لیکن جو اثر حقو از پر ہوا وہ کسی پر نہیں ہوا۔ وہ فنا فی الشیخ کے درجے پر پہنچے ہوئے تھے پیر صاحب ہی نے انہیں مجاہد بنایا اور اسلام کی خدمت کے جذبے سے سہارا کیا اور شہادت کے رموز سے آگاہ کیا شہادت پلٹنے کی جو ٹرپ حقو از کے دل میں تھی وہ کم ہی کسی کے دل میں پیدا ہوئی ہوگی۔

جہاد سے انہیں شوق نہیں عشق تھا۔ اپنی پلٹن میں وہ ہمیشہ اپنے آدمیوں کو کافروں سے جہاد کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے اور اس خلوص و جذبے سے تلقین کرتے تھے کہ ہر ایک دل میں جہاد کی ٹرپ پیدا ہو جاتی تھی کشمیر انکی منعت کا خاص مرکز تھا۔ ۱۹۴۸ء کے کشمیر جہاد کے آزادی میں بھی انہوں نے حصہ لیا تھا۔ ۱۹۶۵ء میں کشمیر آپریشن کے لئے والنیر کرنے والوں میں وہ سب پہلے تھے ان کے گروپ نے دشمن کو سخت ترین نقصان پہنچایا۔ دشمن کی صفوں کے پچھے جا کر اسکے ذرائع مواصلات کو درہم برہم کیا اور اسکے دفاعی مرکوزوں کو نشانہ بنایا۔ ان انتہائی خطرناک مہمات میں حقو از سب سے آگے ہوتے تھے یہ انکی ذاتی جرأت اور قیادت کا اعجاز تھا کہ انکے عابد ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز کارنامے انجام دے سکے جس کے لئے انہیں ستارہ جرأت بھی دیا گیا۔

حقو از کو ہیروز کا میر و کہنا چاہیے۔ وہ بڑے بڑے بہادروں سے بھی زیادہ بہادر اور جبری

تھے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو انکی مہمات کی تفصیلات سے واقف ہیں۔

۷۰ کی جنگ میں کشمیر میں جو سب سیکڑا انہیں دیا گیا تھا۔ وہاں دشمن جارحانہ کارروائیاں کرتا رہا تھا اور ان میں ایک حد تک کامیاب ہو چکا تھا جھو از نے اگر اسکے دانت کھٹے کئے اور کچھ علاقے پر بار بار قبضہ بھی کر لیا۔ لیپا دہلی کے اس حصے میں جھو از نے ایک تاریخی لڑائی لڑی اور اسی جنگ و دو میں شہید

ہوئے اور ایک بار دستاؤ جرات کے اعزاز سے سربلند ہوئے ایک چٹان پر حقنواز شہید ہوئے تھے۔ اب اس پہاڑی کا نام کیانی شہید چٹان رکھ دیا گیا ہے۔

حقنواز کے کردار میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ جو دل میں ہوتا تھا۔ وہی اسکی زبان پر ہوتا تھا۔ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ وہ جذباتی تھے اور بے حد جذباتی تھے لیکن انکی جذباتیت اپنے لئے نہیں، اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ انسانیت، بشریت، پاکستان اور اسلام کے لئے تھی۔ اور یہی حقنواز کی عظمت کا راز تھا۔ اسی وجہ سے ان کے دوست، ساتھی اور ماتحت ان پر جان نثار کرتے تھے۔

## ۱۹۴۸ء بریگیڈیئر محمد حیات ستارہ جرات کے تاثرات

حقنواز کیانی ستمبر ۱۹۳۹ء میں کالج میں داخل ہوئے تھے اور پہلے اسکین ٹاؤس میں گئے تھے۔ جنوری ۱۹۴۰ء میں جب انکی عمر بمشکل تیرہ برس کی ہو گئی تو ایک روز تارایا کہ ان کے والد ماجد چچا نے رائفلز کے صوبیدار اللہ دتہ قبائلی علاقے میں ایک جھڑپ میں کام آئے۔ یہ شیخون وزیری قبائلیوں نے بنوں اور بہاول نخل سرنگ کے درمیان مارا تھا۔ اس المناک خبر سے سارے لڑکوں کو بہت دکھ پہنچا تھا۔ کالج میں اس دن عجب سوگوار فضا تھی۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ کیانی نے پہلے سال ہی اپنی جگہ بنا لی تھی۔ اس میں کیانی کی سمارٹ چلت پھرت اور خوش لباسی کو بڑا دخل تھا۔ کیانی بالنگنگ رنگ کا شیر تھا۔ بچے ہوئے شیر کی طرح مقابل پر جھپٹتا تھا۔ ہاکی بھی خوب کھیلتا تھا۔

۱۹۴۳ء کے بالکل آواخر میں کیانی نے ادنیٰ ایس ہو جانے کے لئے کالج چھوڑا۔ اسکے چار سال بعد کیانی سے میری ملاقات بڑے ڈرامائی حالات میں ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دسمبر ۱۹۴۴ء کی تاریخ بتی اور شام کا اندھیرا اچھلنے لگا تھا۔ ٹھنڈ اور کہرنے تاریکی کا احساس بڑھا دیا تھا۔ اند میں نتج جنگ اور پٹلی کے درمیان ٹرک پر ایک پریشان کن صورت حال سے دوچار تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میں ایک بڑے بھاری ٹرک میں بنوں سے گریڈ اسلحہ اور بند ڈبوں کی غذا کے کریت لے کے آزاد کشمیر جا

ساتھ جہاں مجھے قبائلیوں کے لشکر کی کمان سنبھالنی تھی۔ بد قسمتی سے ایک موٹر کھٹکتے ہوئے ٹرک  
 الٹ گیا۔ میں اور ڈرائیور جوائے بیٹھے تھے جیسے تیسے ٹرک سے نکل آئے۔ ہمارے معمولی چوڑی پٹیں تھیں لیکن  
 اصل مسئلہ ایک جے سی۔ اور چندان سی۔ اندر کا تھا جو ٹرک کے اندر بیٹھے تھے اور اب ٹرک کے نیچے  
 آکر بری طرح پھنس گئے تھے۔ انہی جان سخت خطے میں تھی۔ ہم دو اکیلے ان کو ٹرک سے نکال نہیں سکتے  
 تھے۔ لمحہ قیمتی تھا کیا کیا جائے۔ اتفاق سے چند لمحوں بعد ہی ایک کار آتی دکھائی دی، کار کو دیکھتے  
 ہی میری جان میں جان آئی کہ اب ہم ان لوگوں کی جان بچا سکیں گے۔ کار کو میں نے ہاتھ دیا۔ کار کا  
 ڈرائیور خود بھی دیکھ سکتا تھا کہ ایک فوجی ٹرک الٹا پڑا ہے لیکن بجائے اس کے کہ ڈرائیور کار کو روکتا اس  
 نامقول نے کار کو اور تیز کیا اور کار کو اڑنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ کار میں تین چار آدمی تھے۔ وہ چاہتے  
 تو ہماری کماحقہ مدد کر سکتے تھے لیکن انہی بے بسی اور بے مددی پر مجھے بہت غصہ آیا یہاں چند جانوں  
 پر بنی ہوئی تھی اور ان لوگوں کی بے بسی کا یہ عالم تھا طیش میں آکر میں نے گاڑی سے ایک گرنیڈ نکالا  
 اور ملے کر لیا کہ اگر دوسری گاڑی والوں نے ایسا کیا تو میں انہی کار کو گرنیڈ سے اڑا دوں گا۔ ہمارے  
 آدمی ٹرک کے نیچے پھنسے چیخ رہے تھے اور ہمیں کوئی ان کو نکالنے والا نہیں مل سکا تھا۔ چند لمحے بعد فتح جنگ  
 کی طرف سے ایک کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی دکھائی دی۔ میں نے کار کو دیکھتے ہی ڈرائیور کو حکم دیا تم ٹرک  
 کو ایک طرف سے اٹھانے کے لئے جیک فٹ کرو اور میں خود سڑک کے پیچ ہیڈ گرنیڈ لے کے کھڑا ہو  
 گیا اور ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ یہ ایک آرمی ٹرک تھا جو ہم سے چند گز کے  
 فاصلے پر آکر ٹرک گیا اور سامنے کی سیٹ سے کوئی اترا۔ روشنی کا رخ کچھ ایسا تھا کہ اترنے والے کو  
 میں تو نہیں پہچان سکا لیکن ٹرک کی ہیڈ لائٹس میں اس نے مجھے پہچان لیا اور دوسرے بولا حیات مٹانا  
 تم ہمیشہ لڑنے کے موڈ میں کیوں رہتے ہو۔ گرنیڈ نہ پھینکنا۔ میں کیانی ہوں۔ آواز سے میں نے بھی کیانی کو پہچان  
 لیا۔ پہلے گلے ملے پھر سب نے لکڑیوں کو ٹرک کے نیچے سے نکالا۔ کیانی ہمارے لئے فرشتہ رحمت  
 بن کر آئے تھے۔ قدست کے کھیل نزلے ہیں۔ پہلے گاڑی ملنے کے رتبے سے میں اتنے طیش میں آ گیا تھا کہ

دوسری گاڑی اگر نہ رکتی تو میں اسے چھوڑتا نہیں۔ اس لمحے خدا نے ڈرامائی طوے پر میرے پرانے دست اور  
 کالج کے ساتھی حقنواز کیانی کو بھیجا اور بگڑی بات بنادی۔

کیانی کی آواز اور الفاظ "حیات خانا" اب بھی برسوں بعد میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ اب جبکہ میں  
 واقعہ لکھ رہا ہوں وہ سارا منظر وہ سہ ماہی دھیری رات، وہ الٹا ہوا ٹرک، وہ زمینوں کی چھتیں، وہ میٹر گریڈ  
 لے کر سڑک کے نیچے کھڑا ہونا، وہ فتح جنگ کی طرف سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس کا نظارہ... سیاری  
 تصویر میری آنکھوں کے سامنے بھر رہی ہے۔ خود حقنواز کی ساری زندگی ڈرامائی تھی غیر معمولی اور غیر متوقع  
 قدم اٹھانا حقنواز کا معمول تھا۔

اس حادثے کے بعد پھر میں اکیس سال تک ایک دوسرے سے ملاقات نہ ہو سکی یہ معنی اتفاق تھا پھر  
 غیر متوقع طوے پر کوٹلی آزاد کشمیر میں ۱۹۹۹ء میں ہم دونوں پھر بچا ہو گئے۔ میں دہاں بریگیڈ کمانڈر تھا کہ دہاں  
 کیانی ۱۰ اے کے ٹالین کے کمانڈر کی حیثیت سے پوسٹ ہوئے اس سے ہم دونوں کو انتہائی خوشی ہوئی  
 میں کیانی کی کالج کے زمانے سے قدر کرتا تھا۔ پھر جب میں نے ۱۹۹۵ء کی جنگ میں انکے کمانڈر ایشن کی  
 تفصیلات سنیں تو میرے دل میں پاکستان کے اس نظیر عابد کی عزت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ میری خوش قسمتی سے  
 میرا پرانا دست اور کشمیر آپریشن کا ہیرو اب میرا رفیق کار تھا۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی اور غصہ کی  
 بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ کالج میں کیانی مجھ سے ایک سال جونیئر تھے لیکن جب انہیں مجھ سے پہلے کمیشن ملا تو  
 وہ میرے سینئر ہو گئے۔ بد قسمتی سے جب انہیں بریگیڈیئر کے عہدے پر ترقی نہیں ملی (جبکہ وہ میری نظر میں  
 اپنی طرح مستحق تھے) تو وہ پھر میرے جونیئر ہو گئے۔

میں نے حقنواز کو بہترین ٹالین کمانڈر پایا۔ وہ فنِ حرب کے دماغ سے خوب واقف تھے۔ وہ کتابی  
 نہیں عملی کمانڈر تھے۔ پیشتر جنگی امداد و معاملات میں انکی رائے غیر ہدایتی اور انفرادیت لئے ہوئے ہوتی تھی۔  
 اپنی شخصیت کے علاوہ انداز کے باوجود کیانی کو میں نے بہت اچھا معاد رکھا پایا۔ ہم دونوں کی قدریں اور  
 سوچ میں مطابقت تھی یا کیا بات تھی بریگیڈ کی جنگی تدبیر کا کسی ٹریننگ ہم دونوں مل کر کرتے تھے پریشانی



نہ ملنے یا میرا جو بیڑہ جانے سے اچھے دلوں اور جوش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ کیا فی میں سندی دلوں کی گٹھ  
کوٹ کے بھری ہوئی تھی بلکہ جوش و دلوں اور شوق جہاد کی ایک آگ تھی جو ابھی رگ و پے میں ہائی ہوئی  
تھی۔ ان کا جوش و خروش اور شوق جہاد آنا سچا اور کھرا تھا کہ ان کا کوئی اس سے متاثر ہو پوری  
ٹالین کے لوگوں کو کیا فی نے گرا کے رکھ دیا تھا۔

اگست ۱۹۷۰ء میں کیا فی کو ٹلی سے ریٹائر ہوئے ہیں نے ایل پی آر کے عرصے کے لئے لٹکے شگلا میں  
رہنے کا بندوبست کیا۔ اے کی جنگ میں جب انہیں دوبارہ فوجی خدمت کے لئے بلا یا گیا تو معمول کے مطابق  
تو انہیں ریٹائرڈ انسٹرکٹس کی حیثیت سے کسی بس کے اسٹیشن پر متعین ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ان کی مہم پسند اور  
خطر پسند طبیعت نے انہیں ایک بار پھر میدان جنگ میں پہنچا دیا جسکی روئیدار اب پاکستان کی مسکری  
تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب بن چکا ہے کیا فی ایسے سپاہی روزِ زہر پیدا نہیں جتے بلاشبہ  
کیا فی کی زندگی اور موت ایک اساطیری داستان کا درجہ رکھتی ہے۔

## ۷۵۲ لفٹیننٹ کرنل رشید احمد ستارہ جرات کے تاثرات

حقاً کہ کیا فی سے میرے ایک نہیں کسی رشتے تھے۔ ایک تو قبیلے کا رشتہ وہ بھی لگھڑوں میں سے  
تھے۔ میرا تعلق اسی برادری سے ہے۔ ان سے رشتے داری کا رشتہ بھی تھا۔ جہلم میں ضلع  
بھی ایک ہی ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر ملٹری کالج میں چار سال ایک ساتھ گزارے۔ ۱۹۴۲ء  
میں کالج کی ٹالین کا سیکنڈ ان کمانڈ تھا تو کیا فی ٹالین ایجوٹینٹ تھے اس کے بعد بھی فوجی  
ملازمت کے دوران گاہے گاہے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ۶۸-۱۹۶۷ء میں وہ اور میں  
اتفاق سے کھاریاں میں پھرا کٹے ہو گئے تھے۔ ہم دونوں نے اکتوبر ۶۸ء میں کالج میں  
اولڈ بوائز کی پہلی بڑی سی یونین کا اہتمام کالج کے کمانڈنٹ کرنل مرتضیٰ سے مل کر کیا  
تھا۔ اس زمانے میں ہم دونوں کے بیٹے بھی ملٹری کالج میں پڑھتے تھے اس لئے اور بھی

منا ہوتا رہتا تھا۔ آخری بار ان کا چہرہ ان کی شہادت کے بعد ۲۲ مئی ۱۹۷۲ء کو مونا پنڈ  
میں دیکھا جب انہیں قبر میں لٹا دیا گیا اور ان کی والدہ کے انتظار میں صرف ان کا چہرہ  
کھلا رکھا گیا تھا۔ اس منظر کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ حق نواز جس کی زندگی ایک سلسل  
انضباط تھی اب وہ پُرسکون تھا اور چہرہ شہادت کے نور سے منور۔ شہادت کی آرزو  
انہیں زندگی بھر رہی تھی۔ اللہ نے انہیں آخر میں اس رتبہ بلند سے بھی سربلند کیا۔

حق نواز سے زندگی بھر کے تعلق کی بنا پر جو بات میں دیانت داری سے کہہ سکتا  
ہوں وہ یہ ہے کہ ان ایسا جری اور زبرد آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ خصوصاً جب سے  
وہ ایک دانائے راز بزرگ سے بیعت ہوئے تھے۔ ان کی دنیا سے اور دنیا داروں  
سے بے نیازی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی چونکہ یہ طور طریقے دنیا داری کے لحاظ سے  
ترقی میں حائل ہوتے ہیں تو جب ہم عزیزوں اور دوستوں نے ان سے اپنے آپ  
کو تھوڑا سا بد لنے کو کہا۔ ان کا ایک ہی جواب ہوتا۔ چھڈو، بھراؤ، اللہ مالک اے،  
بے اصولی اور اپنے کام میں بے جا دخل دہازی کے خلاف وہ ڈٹ جایا کرتے تھے  
زمانہ امن میں ایسے پُر جنون، کردار کا مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ امن میں انہیں  
گھرا نا پڑا۔ اور جنگ میں خاص طور پر انہیں بلایا گیا۔ اب دیوانہ آئے۔ مجنوں کی دشت  
میں دیرانے میں مزدورت ہے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ ختم ہونے کے بعد دوسرے ریٹائرمنٹ سے بلائے اور ایس  
بھیج دیئے گئے تھے لیکن ان کو ان کے افسران اعلا نے خاص طور پر روک لیا تھا  
کہ کشمیر کی وادی میں کشمیر کے دیوانے کی بڑی مزدورت تھی۔ اس کے جنون اور فراست  
دونوں کی مزدورت تھی۔ کشمیر کی وادی کیان (لیپاویلی) کو انہی کے خون سے لالہ زار  
ہونا تھا۔

آخر میں میں ایک اور بات کا ذکر کروں گا جو شاید زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ ریٹائرمنٹ سے پہلے ان کا تبادلہ ایٹ پاکستان بھی ہوا تھا۔ غالباً ۱۹۶۹ء میں ایٹ بنگال رائفلز کے سنٹر کمانڈنٹ کی حیثیت سے۔ وہاں کرنل ریٹائرڈ عثمانی (جو بعد کو جنرل عثمانی کے نام سے مشہور ہوئے، سے بھی ٹکری۔ وہ اس وقت بھی بنگلہ دیشزم کا پرچار کر رہے تھے۔ حق نواز نے ان کی سرکاری معاملات میں مداخلت بالکل بند کر دی۔ اور ان کی سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا۔ حق نواز جو پاکستان کے عاشق تھے وہ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی مذموم کارروائیوں کو کیسے برداشت کرتے۔ مختصر یہ کہ کیانی میدان اس کے نہیں میدان جنگ کے آدمی تھے۔ ان کی زندگی کے آخری زمانے کی جو باتیں میں نے سنی ہیں اور آزاد کشمیر میں جس طرح انہیں یاد کیا جاتا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عملاً ایک صوفی اور درویش بھی تھے۔ یہ مٹی زرخیز تو بہت ہے۔ خدا کرے کہ اس سے بہت سے کیانی پیدا ہوں۔ آخر میں، میں اپنے چند شعر عقیدت کے نذرانے کے طور

پر پیش کرتا ہوں۔ س  
 پاکستان دی آن سٹروں بھینٹاں داما سٹروں سٹراوہ  
 انہاں فازیائیں تے شہیداں تے قربان ہو جاواں بسم اللہ  
 شالار بکرے عزم جوان سہوے تہا ڈاسب توں اچاناں ہوکے  
 کدے پیار شہید نہ بھلیو جی دیو اذن میں جاواں بسم اللہ

میر جبریل ممتاز علی ستارہ جرات (دو بار) کے تاثرات

۸۵۶۔ میر جبریل ممتاز علی ستارہ جرات (دو بار) لکھتے ہیں۔

۶۱۔ ۱۹۶۰ء کی محاذ آرائی میں ہندوستانی فوجی دستوں کی آنکھوں کے

عین سامنے (یا لکھوٹ بیکٹریں، حق نواز نے اپنے فوجیوں کو جمع کیا اور نماز ادا کی اس

نظارے نے دشمن کو توحیرت میں ڈال دیا۔ ۱۹۶۵ء اور ۷۲ء کے لیاویلی کے کارناموں کی تفصیل میں، میں نہیں جانا چاہتا۔ لیاویلی وہ جگہ میں نے دیکھی ہے جہاں وہ دشمن کا گولہ لگنے سے شہید ہوئے تھے اور ان حالات کی تفصیل بھی سنی ہے جن میں انہوں نے یہ غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔ اس کے پیش نظر میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ جذبہ ایمانی سے سرشار تھے۔ معمولی آدمی یہ کام نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ۱۹۶۵ء میں وہ وہ نہیں جو ۱۹۴۵ء میں تھے۔ ۱۹۴۵ء میں وہ صاحب تھے۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں وہ دیولیش

### مجاہد میجر جنرل غلام محمد کا انٹرویو

۸۸۵۔ میجر جنرل غلام محمد کا انٹرویو کا ایک حصہ ہم حق نواز کیانی کے ملٹری کالج کے زمانہ تعلیم کے بیان میں درج کر چکے ہیں۔ باقی حصہ اب شخصیت و کردار کے سلسلے میں نقل کرتے ہیں۔

سوال ۱۔ حق نواز کے کالج کے جانے کے بعد آپ کا ان سے کتنا واسطہ رہا؟  
جواب ۱۔ کیانی نے ۱۹۴۵ء میں انڈین آرمی کی مشہور رجمنٹ راجپوتانہ رائلز میں سیکنڈ بٹالین میں کمیشن لیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد ان کی بٹالین کی پوری کمپنی ہم بلوچ (حال ۱۱ بلوچ) میں منتقل ہوئی۔ ۴ بلوچ اس زمانے میں ایبٹ آباد میں تھی اس لئے حق نواز کو لیفٹیننٹ کی حیثیت سے ایبٹ آباد آنا پڑا۔ ادھر میں انڈین ملٹری اکیڈمی سے منتقل ہو کر پاکستان ملٹری اکیڈمی کا کول ایبٹ آباد آیا۔ اس طرح کئی برس کے بعد ہم دونوں پھر یکجا ہوئے یہ مارچ اپریل ۱۹۴۸ء کی بات ہے۔ کچھ دنوں بعد حق نواز نے مجھے اپنے میس میں پہنچ کر بھی بلایا تھا۔ ان دنوں کشمیر کی آزادی کی جدوجہد جاری تھی۔ کشمیر کو آزاد کرانے کا حق نواز کو جنرل کی حد تک شوق تھا۔ بہر حال

حالات لچھ ایسے پیدا ہوئے کہ انہیں کشمیر کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کا موقع ملا کشمیر میں پانڈرو کی چوٹی جیتنے میں حق نواز کی کارکردگی کو بھی دخل تھا۔ ایک عرصے کے بعد ۴۴ بلوچ کے چند بے سی اور مجھے ملے وہ حق نواز کی جرات اور قائدانہ صلاحیت کے بڑے معترف تھے۔ کشمیر آپریشن میں ان کی بہادری کے قصے اس علاقے میں خاصے مشہور تھے۔ پی ایم اے سی کیشن لینے کے بعد جب میں فروری ۱۹۴۹ء یا ستمبر ۱۹۴۹ء میں انفنٹری سکول کوئٹہ میں کورس کر رہا تھا تو معلوم ہوا کہ حق نواز اسٹاف کالج میں جوئیئر ٹیکنیکل کورس کر رہے ہیں جب میں ان سے ملنے ان کے کمرے میں گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کیا تانی نے فرش پر لیٹر لگایا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا قصہ ہے؟ کیا چار پائی نہیں ہے بولے نہیں یہ بات نہیں کشمیر کے جہاد کے وقت سے مجھے زمین پر سونے کی عادت ہو گئی ہے سوال:- ۱۹۴۹ء کے بعد پھر آپ ان سے کب ملے؟

جواب:- کوئی آٹھ نو سال کے بعد ۱۹۵۸ء میں ہم پھر کوئٹہ ہی میں اسٹاف کالج کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں لکھنے پڑھنے کے کام یا کورسز کے کھیڑوں سے انہیں کبھی دلچسپی نہیں تھی۔ حق نواز کے جوہر میدان جنگ میں کھلتے تھے۔ وہ میدان کارزار کے آدمی تھے۔ امن کے زمانے میں نوکری کرنے کے آداب وہ برتنا جانتے ہی نہیں تھے حد درجہ منہ پھٹ اور خود دار تھے۔ جو دل میں ہوتا خواہ کوئی ہو منہ پر کہہ دیتے۔ مصلحت کا لفظ تو ان کی لغت میں تھا ہی نہیں۔ جس بات کو وہ غلط سمجھتے اس کو برا غلط کہنے سے دنیا کی کوئی طاقت انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ وہ کئی بار اپنے سینئر زے الجھے اور بڑی طرح الجھے۔ غالباً اسی کی پاداش میں وہ اسٹاف کالج سے سند لینے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔



حق نواز اور میں آخری بار ۱۹۷۰ء میں سنگلا میں یکجا ہوئے میں ریگیڈیر ہو گیا تھا اور وہ ایفٹینٹ کرنل سے ریٹائر ہو رہے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد میں چراٹ چلا گیا پھر جو خبر ملی تو ان کے سر سے کفن باندھ کر لیپا ویلی میں شہید ہونے کی خبر ملی۔ شہادت کی انہیں بڑی تمنا تھی۔ خدا نے ان کی تمنا پوری کر دی برسوں کی بے قراری کو قرار آگیا۔ حق نواز ایسے لوگ کبھی پیدا ہوتے ہیں۔

### ۱۸۷ جنرل محمد اقبال خان ہلال امتیاز ستارہ بسالت کا انٹرویو

جنرل اقبال سے ہم نے ایفٹینٹ کرنل حق نواز کیانی شہید ستارہ جرات کے بارے میں ان کے تاثرات پوچھے تو یہ غیر رسمی گفتگو ہوئی۔

سوال ۱۔ کالج نمبر ۸۳۵ حق نواز کیانی آپ کے ہم عصر تھے۔ اس زمانے کے کیانی کے بارے میں آپ کا تاثر کیا ہے؟

جواب ۱۔ میں اگست ۱۹۴۳ء میں کالج میں داخل ہوا تھا۔ اس زمانے میں حق نواز کیانی کالج کے ہیڈ بوائے تھے۔ چند مہینے کے بعد غالباً دسمبر ۱۹۴۳ء میں وہ کمیشن کے لئے منتخب ہو کر او۔ ٹی۔ ایس ہو چلے گئے۔ اس لئے صرف چند مہینے میں نے انہیں کالج میں دیکھا۔

بہر حال اس تعلق کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ حق نواز کالج کے ممتاز ترین طلبہ میں سے تھے۔ جسمانی لحاظ سے بے حد چاق و چوبند اور غیر معمولی طور پر خوش لباس۔ طبیعت میں تندہی اور تیزی تھی۔ ان کے اصل جوہر کھیل کے میدان میں کھلتے تھے لیکن تعلیم میں ان کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا۔ بحیثیت مجموعی وہ ایک کامیاب سینیئر کیڈٹ آفیسر تھے۔

سوال ۱۔ شخصیت و کردار کا نمایاں پہلو کیا تھا؟

جواب ۱۔ جرات۔ دلیری اور خود اعتمادی۔

سوال ۱۔ کالج کے بعد کا کوئی تاثر؟

جواب ۱۔ فوج میں وہ اپنی مخصوص افتاد طبع کی وجہ سے اتنے کامیاب نہیں رہے

لیکن اس کی تلافی انہوں نے ۱۹۶۵ء میں اپنی غیر معمولی دلیری سے کر دی۔ کیانی امن کے نہیں جنگ کے آدمی تھے۔ میری جوانی سے آخری ملاقات ہوئی۔ اس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

سوال ۱۔ اس کی کیا خصوصیت تھی؟

جواب ۱۔ لیپا کے تاریخی معرکے سے پہلے کیانی مجھ سے ملنے جی ایچ کیو آئے تھے۔ اس ملاقات میں انہوں نے جو باتیں کہیں اور جس انداز سے کہیں۔ اسی سے میں نے یہ تاثر لیا کہ اس شخص نے تو گویا شہادت کے لئے سر سے کفن باندھا ہوا ہے۔ کیانی کے اہلے ہوئے جذبہ جہاد اور ذوق شہادت سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

## ۶۸۸۔ بریگیڈیئر عطا محمد خان ملک ستارہ امتیاز کے تاثرات

حق نواز کیانی کو راجپوتانہ رائل فیلڈ میں کیشن ملا تھا۔ آزادی پر ۴ بلوچ سے وابستہ ہوئے۔ یہ وہ نامور بٹالین ہے جس نے ۱۹۴۸ء کے کشمیر آپریشن میں چناری سیکٹر کے بظاہر ناقابل تسخیر پانڈو فیچر کو تسخیر کیا۔

اس سیکٹر میں مصروف کارزار بریگیڈ کو جو آرٹلری ٹرپ مدد دے رہا تھا میں دسٹے کو کمان کر رہا تھا اس لئے میں اس بٹالین کی کارکردگی سے واقف ہوں۔ اس





مل گیا۔ کیل سیکٹر میں چنکوٹ پر دشمن کی حریمانہ نگاہیں پڑ رہی تھیں۔ بریگیڈ کمانڈ نے ۱۳۔۱۷ کے کو چنکوٹ پہنچنے کا حکم دیا۔ بٹالین نے چند گھنٹوں میں کونج شروع کر دیا اور چند دنوں میں سو میل سے زیادہ کا انتہائی دشوار گزار راستہ عبور کر کے چنکوٹ میں مورچے سنبھال لئے۔ کرنل دستگیر اور میجر کیانی دونوں مست شوروں کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑنے کے لئے بے قرار ہو رہے تھے۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کے لئے مشکل ہو گیا تھا کہ ان عقابوں کو شکار پر جھپٹنے سے کیسے روکا جائے جس تیزی سے بٹالین چنکوٹ پہنچی تھی اور جو اس کے تیور تھے اسی سے دشمن ٹھٹھک کر رہ گیا تھا۔ یہی ہمارا مقصد تھا بہر حال حق نواز کے تیوروں سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ جب موقع آیا تو شیر بر کے جوہر کھلیں گے۔ دو سال بعد ۱۹۶۵ء میں حق نواز نے ۱۳۔۱۷ کے ساتھ کشمیر کی دادی میں جوہر کے سر کئے۔ ان کی روئداد ملٹری فیکشن سے معلوم ہوتی ہے بحیثیت کی انتہا بھی یہی ہے کہ وہ افسانہ معلوم ہونے لگے۔

آخری بار حق نواز ۱۹۷۰ء میں ملا جب میں جہلم میں ڈوئین آرٹلری کو کمان کر رہا تھا اور اسٹیشن کمانڈر کی حیثیت سے بھی کام کر رہا تھا۔ حق نواز فوج سے ریٹائر ہو چکے تھے اور جہلم چھاؤنی کے مضافات میں لوٹا نامی گاؤں میں ایک زرعی فارم قائم کرنے میں مصروف تھے۔ یہ کام بھی انہوں نے اپنے روایتی جوش و خروش سے کیا۔ ۱۹۷۱ء میں میرا تبادلہ مشرقی پاکستان میں ہو گیا۔ قید کے دوران میں نے لپاویلی میں حق نواز کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ سنا اور فخر سے سراوٹا ہوا ہوا۔ خدا سب مسلمانوں کو اس عظیم سپاہی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۹۶۳ء۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد یونس ستارہ جرات، کہتے ہیں

کالج میں وہ ہم سے بہت سینئر تھے۔ ہمارے آنے سے پہلے ہی وہ کمیشن لے چکے

تھے۔ ان سے ملاقات ایک بریگیڈ میں اس وقت ہوئی وہ اس وقت کیپٹن تھے۔ میں سیکنڈ لیفٹیننٹ تھا۔ بڑی شاندار اور پر اثر شخصیت کے مالک تھے۔ پرجوش، تیز مذاہن، تیزی کے مثالی سپاہی۔ فٹ بال بہت اچھا کھیلتے تھے۔ بریگیڈ ٹیم کے کیپٹن تھے۔ ان کے بارے میں میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں کہ جو رنگ آغاز جوانی میں تھا وہ بعد کو نہیں رہا تھا۔ ایک لخت بدل گئے۔ کوہاٹ گھمگول شریف سے بیعت تھے۔ آخر میں خود درویش اور پیر ہو گئے تھے۔

## ۱۹۷۰۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد رفیق لکھتے ہیں

میرے ذہن میں حق نواز سے متعلق دو واقعات ہیں۔ ۲۹ - ۱۹۴۸ء کی بات ہے۔ ہاکی کا ایک میچ ہو رہا تھا۔ ایمپائر کے کسی فیصلے پر ان کے دو ایک کھلاڑیوں نے اعتراض کیا۔ بہر حال تھوڑی بد مزگی پیدا ہوئی۔ کیانی بھر گئے۔ اپنے لڑکوں کو بہت ڈانٹا کیانی غصے کے بہت تیز تھے۔ ان کی قوت فیصلہ بھی غیر معمولی تھی۔ کسی نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگاتے تھے۔

دوسرا واقعہ ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۴ء کا ہے میں ۱۹ پنجاب میں لیفٹیننٹ اور وہ پشین اسکاؤٹس میں کیپٹن تھے۔ رات کو گشت پر نکلے تو اسمگلرز کے ایک خطرناک گروہ کو پکڑ لائے۔

حق نواز کیانی کے ایک سابق ملازم فضل کا جواب میرے پاس کام کرتا ہے، بیان ہے کہ میں ان کی زمینوں پر کام کرتا تھا۔ ۷۱ میں جب فوج میں دوبارہ طلب ہوئے تو لام پر جانے سے پہلے اپنے مزارعوں اور ملازموں کو بلا کر کہا۔ یہ میری آپ لوگوں سے آخری ملاقات ہے۔ آپ دعا کریں کہ میں اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤں۔



## لینٹینٹ کرنل ہاشمی کا بیان

اے۔ کے رجمنٹ کے لینٹینٹ کرنل ہاشمی نے ایک ملاقات کے دوران اس عجب اتفاق کی طرف اشارہ کیا۔ اپنی زندگی کی تین جنگیں حق نواز کیانی نے کشمیر میں کم و بیش ایک ہی علاقے میں لڑیں اور ہر بار سرخ رو ہوئے۔ ۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو مظفر آباد سیکڑ میں پانڈو آپریشن بہت اہمیت کا حامل تھا۔ حق نواز نے بحیثیت ایک لینٹینٹ کے اس ایکشن میں حصہ لیا اور بہت اہم کردار ادا کیا۔ ۲۵ء میں میجر حق نواز کیانی ۱۳۔ اے کے کے کمانڈو گروپ کے کمانڈر تھے اور اس حیثیت سے کافی اندر چلے گئے تھے۔ جو کارنامے انہوں نے انجام دیئے وہ فوجی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔ خصوصاً وہ ایکشن جس کے لئے انہیں ۲۵ء میں ستارہ جبرأت دیا گیا۔ ۱۷ء میں انہیں دوبارہ کشمیر میں خدمات کے لئے بلایا گیا اور وہ پھر اسی علاقے میں مصروف کار ہوئے۔ مئی ۱۹۴۸ء میں لیپا آپریشن پاکستان کی تاریخ میں ایک یادگار چیز ہے۔ لیپا اور پانڈو کے درمیان صرف ایک پہاڑی ہے۔ لیپا کے معرکے ہی میں وہ شہید ہوئے اور دوسری بار ستارہ جبرأت کا اعزاز حاصل کیا۔

## ۱۲۰۱۔ محمد اسلم راجہ صاحب کے تاثرات

جب میں اگست ۱۹۴۳ء میں کالج میں داخل ہوا تو حق نواز کیانی ہیڈ بورائے تھے چار چھ ماہ کے بعد وہ کمیشن کے لئے او۔ ٹی۔ ایس ہو چلے گئے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ کالج میں ان کی صرف ایک جھلک دیکھی۔ لیکن یہ جھلک بھی بھرپور تھی۔ ہر جگہ ان کا طوطی بولتا تھا۔

اس کے بعد کیانی صاحب سے ملاقات کوٹہ میں ہوئی یہ غالباً ۱۹۵۹ء کی بات ہے وہ اسٹاف کالج میں کورس کے لئے آئے تھے اور میں وہاں اسٹاف کالج کے لائبریرین

کے طور پر کام کر رہا تھا۔ ایک تو کالج کا رشتہ تھا۔ دوسرے وہ ہماری برادری کے بھی تھے۔ اسی وجہ سے وہ کبھی کبھی ہمارے یہاں آتے تھے۔ پہلی بار جب آئے تو بیگم ساتھ تھیں اور برقعہ میں تھیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ یوں بھی وہاں برقعہ کا رواج زیادہ نہیں تھا اور پھر جس حق نواز کو میں کالج میں جانتا تھا اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ شعائر اسلام سے اتنی دلچسپی رکھے گا۔ بہر حال جب آنا جانا ملنا جلتا ہوا تو پتہ چلا کہ ان کی تو دنیا ہی بدل چکی ہے۔ دین اور شعائر دین کے بارے میں ان کی طبیعت بہت شدید تھی۔ خواہ فائدہ ہو یا نقصان وہ جس چیز کو دین کا تقاضا سمجھتے تھے اس کے خلاف نہیں جاسکتے تھے۔

میں چونکہ لائبریری میں تھا اس لئے کورس کی باتیں بھی سنتا رہتا تھا۔ اگر دیکھا جائے تو وہ کسی کورس کے سانچے میں فٹ نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ عملی آدمی تھے کتابیں پڑھنا خلاصے تیار کرنا۔ دوسروں کے نظریوں کو دہرانا اور اپنے سے بڑوں کی باتوں کو آنکھیں بند کر کے ماننا ان کے مزاج کے مطابق نہ تھا۔ بہر حال اس کو خوبی سمجھا جائے یا خامی یہ خصوصیت ان کے اندر موجود تھی۔ وہ غیر معمولی عزم، حوصلہ اور جذبے کے آدمی تھے اللہ کا شکر ہے کہ وہ غیر معمولی کام کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

### برگیدیر شیر علی باز کا انٹرویو

سوال ۱۔ آپ کی راہ رسم حق نواز کیانی شہید سے کیسے اور کہاں ہوئی؟  
جواب ۱۔ حق نواز کیانی شہید سے میری پہلی ملاقات ۵۳-۱۹۵۲ء میں ہوئی تھی۔ لیکن یہ سرسری سی ملاقات تھی۔

چار پانچ سال بعد گھنکول شریف دکوٹا میں ان سے ملنے کا پھر اتفاق ہوا

اور پھر اکثر گھمکول شریف میں اکٹھے ہوئے گویا ان سے اصل تعلق و ربط گھمکول شریف میں ہوا اور جب تعلقات بڑھے اور میں نے اس غیر معمولی انسان کے اندر جھانک کر دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو در بے بہا ہے۔ جتنے آدمیوں سے میں ملا ہوں ان میں سب سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر۔

سوال ۱۔ پھر یہ اندازہ آپ نے ان کی کس حیثیت سے لگایا؟

جواب ۱۔ میں نے عرض کیا۔ میرا ان سے رشتہ پیر بھائی کی حیثیت سے تھا۔ ان کی شخصیت پر میرا تبصرہ اسی حیثیت سے ہے۔ میں نے بہت سی اسلامی اور انسانی قدروں کا جیتا جاگتا نمونہ پایا۔ گھمکول شریف بڑا دربار ہے۔ یہاں ایک خلقت آتی ہے لیکن میں نے حق نواز کو سب پیر بھائیوں سے بہتر پایا۔

سوال ۱۔ کس اعتبار سے؟

جواب ۱۔ اپنے خلوص اور جذبے کی شدت کے اعتبار سے۔ میں نے حق نواز سے زیادہ بے ریا آدمی نہیں پایا۔ تقویٰ ان کے قلب میں جاگزیں تھا۔ میرے خیال میں وہ روحانیت کے ایک بلند درجے تک پہنچ چکے تھے۔

سوال ۱۔ آپ کو ان کی کس خصوصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

جواب ۱۔ یہی کہ حق نواز کی مذہبیت بہت گہری اور سچی تھی وہ صحیح معنوں میں اسلام کے متوالے اور فدائی تھے۔ وہ بچے باعمل مسلمان تھے۔ اسلام کی محبت ان کی رگوں پے میں خون کی طرح جاری و ساری تھی چونکہ انہیں روحانیت کا راستہ دکھانے میں اور ان کے قلب کو روشن کرنے میں پیر کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس لئے ان سے ان کی عقیدت بے حد و حساب تھی۔

سوال ۱۔ شیر علی صاحب آپ ان کی روحانیت اور پیر صاحب سے انکی عقیدت

کی کوئی مثال دینا پسند کریں گے؟

جواب ۱۔ پیر صاحب نے انہیں ایک زمزمینی رومال عطا کیا تھا ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں وہ اس کو برکت کے طور پر یونی فارم کے نیچے اپنی کمرے باندھے رہتے تھے۔ ۶۵ء کی جنگ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے ایک بار انہوں نے مجھے بتایا کہ اس پٹے کی برکت سے میرے اندر شہادت حاصل کرنے کا جذبہ شدت سے بیدار ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کو آپ کچھ بھی کہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہیں پیر صاحب پر بے انتہا اعتقاد تھا۔

دوسرا واقعہ ۷۲ء۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کا ہے حق نواز کو شدید احساس ہو گیا تھا کہ وہ شہید ہو جائیں گے۔ اس امر کا برملا اظہار انہوں نے پوری بٹالین سے کیا اور ایسا ہی ہوا۔

## مولوی نصر اللہ خان کا انٹرویو

سوال ۱۔ مولوی صاحب پہلے تو آپ اپنا تعارف کرائیے۔

جواب ۱۔ میرا نام نصر اللہ ہے میں دادی لیپا کے گاؤں انتلیاں کا رہنے والا ہوں۔ ان دنوں لیپا کے موضع کرناہ کے مدرسہ فیض الاسلام کا مہتمم ہوں۔

سوال ۲۔ کرنل حق نواز کو آپ کیسے جانتے ہیں؟

جواب ۱۔ صرف جانتا ہی نہیں ہوں۔ میں ان کا مرید ہوں وہ میرے اور مجھ جیسے ہزاروں کشمیریوں کے مرشد تھے۔ ۶۵ء کی جنگ میں میرا ان سے پہلی بار تعارف ہوا۔ میں بھی ان کے ساتھ مجاہدین میں شامل تھا۔

سوال ۳۔ کیانی صاحب کے پیرو مرشد ہونے کی کیا کہانی ہے؟

جواب ۱۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم کشمیری سیدھے سادھے مسلمان ہیں ہم لوگوں میں جذبہ ایمانی زیادہ ہے جب ہم نے دیکھا کہ یہ شخص صرف فوجی کمانڈر ہی نہیں سچا مجاہد ہے اور سچا مومن ہے تو ہم نے ان کی اطاعت شروع کر دی۔ آپ لوگ یہاں بیٹھ کر اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ لیپا کے مظفر آباد تک کیانی شہید کے لئے انسان تو انسان پتھر بھی روتے ہیں۔ ہمارے لئے وہ انسان نہیں فرشتے تھے۔

سوال ۱۔ کیانی صاحب کا طریق کار کیا تھا۔ اگر آپ دو چار مثالوں سے اپنے تاثرات کی وضاحت فرمائیں تو وہ لوگ بھی جنہوں نے کیانی شہید کو نہیں دیکھا وہ بھی ان واقعات کے پردے میں ان کی جھلک دیکھ لیں۔

جواب ۱۔ ان کا طریقہ قرون اولیٰ کے مسلمان مجاہدوں کا سا تھا جو پہلے سوزِ یقین سے لوگوں کا لہو گرماتے تھے۔ کیانی اسلام اور پاکستان کے عاشق بلکہ دیوانے تھے ۶۵ء میں جب جہاد شروع ہوا تو انہوں نے لیپا کے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ ان میں ۳۲ لیپا، پلٹن کے رضاکار بھی شامل تھے۔ مجھے یاد ہے اس وقت ۳۲ لیپا کے سالار ملک عبد الجبار اور اس کے امام مولوی حبیب الرحمن شاہ بھی موجود تھے کیانی صاحب نے جہاد پر ایسی تقریر کی جیسی میں نے پہلے سنی تھی نہ بعد کو سنی۔ سننے والوں کے دل تڑپ اٹھے اور جہاد کے لئے بے چین ہو گئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کیانی صاحب کے ساتھ کچھ جہاد سے متعلق کتابیں بھی تھیں جو ان لوگوں میں جو پڑھ سکتے تھے ان میں تقسیم کیں۔

کیانی صاحب کی تبلیغ کا طریقہ واعظوں ایسا نہیں صوفیا جیسا معاوہ ذکرِ جلی لا الہ الا اللہ کے بہت شائق تھے۔ اسم ذات کا ذکر خفی بھی کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ پوری



رات ذکر اذکار میں گزار دیتے تھے۔ راستہ چلتے بھی ذکر کرتے جو مجاہد ساتھ ہوتے وہ لا الہ اللہ ہو کی تان اڑاتے۔ اس طرح دوسرے لوگ بھی شامل ہوتے جاتے اور مسجد سے آتے جاتے ایک جلوس کی شکل ہو جاتی۔ مجاہدوں کے مورچے ذکر الہی سے گونجتے رہتے۔ لا الہ اللہ ہو کے نعروں سے لیپا کی فضا میں مہمور تھیں کیانی صاحب کی کوششوں سے کشمیریوں میں وہ جذبہ جہاد بلکہ عشق جہاد پیدا ہوا جیسا کبھی پہلے نہ ہوا تھا۔ ۶۵ء سے پہلے لیپا میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ جمعہ کی نماز انہوں نے شروع کی اور مسجد تعمیر کرائی۔ شہادت سے کیانی شہید کو عشق مہتا شہید ہونے کی اتنی شدید خواہش میں نے اپنی زندگی میں کسی میں نہیں دیکھی۔

## کیپٹن ممتاز علی خان کے تاثرات

سوال ۱۔ ممتاز۔ پہلے آپ اپنا تعارف کرائیے۔  
 جواب ۱۔ کیپٹن ممتاز علی خان کیانی میرا نام ہے۔ لیپا ویلی میں پوسٹ ہوں۔ کیانی رچ جہاں کرنل کیانی شہید کا کمپنی ہیڈ کوارٹر تھا اور جہاں وہ شہید ہوئے تھے میرا کمپنی ہیڈ کوارٹر بھی اسی جگہ ہے۔ انجینئرز میں ہونے کی وجہ سے اس سارے علاقے کا سروے کیا ہے اور چچے چچے کو غور سے دیکھا ہے اور چونکہ اس ویلی اور خاص طور سے اس رچ کی ایک تاریخی اہمیت ہے اس لئے میں نے اس جگہ اور اس کے آس پاس علاقے کا خصوصی توجہ سے مطالعہ کیا ہے۔ کرنل کیانی شہید سے ہماری دور کی رشتہ داری بھی ہے۔ اس تعلق سے بھی کیانی رچ میرے لئے دلچسپی کا باعث رہی ہے۔ کرنل کیانی کی شہادت گاہ پر ہم نے ایک نشان لگا دیا ہے۔  
 سوال ۱۔ کیانی مسجد آپ نے دیکھی ہوگی۔ اس کا محل وقوع کیا ہے؟

جواب:- کیانی رچ اور جموہار رینج کے درمیان جنوب مغرب میں تقریباً سو گز نیچے نواں کوٹ گاؤں ہے۔ اس میں دو ایک سو گھر ہیں اور آبادی تقریباً ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اس گاؤں میں کیانی مسجد ہے جس کی تعمیر میں کیانی شہید نے نہ صرف خاصا روپیہ صرف کیا بلکہ اپنے ہاتھوں سے اس کے لئے پتھر ڈھونڈھو کر لائے اور مزدوروں کی طرح کام کیا اور کچھ دنوں اس مسجد میں باقاعدہ امامت بھی کی۔ کیانی مسجد کے خطیب عبداللطیف نے مجھے بتایا کہ کیانی شہید انہیں ہر مہینہ تین سو روپے غریبوں اور ناداروں اور بیواؤں میں تقسیم کرنے کے لئے دیتے تھے۔ نواں کوٹ میں کوئی بیمار ہو جاتا اس کی تیمارداری کے لئے خود جاتے۔ یونٹ کے علاقے میں غریبوں کو گھاس کاٹنے سے منع نہیں کرتے تھے۔ گاؤں سے پکی سڑک بہت دور ہے اور راستہ بہت دشوار گزار ہے اگر گاڑی جاتی ہوتی تو گاؤں کے کمزور اور بیماروں کو پکی نیلی روڈ تک چھوڑوا دیتے تھے۔ عام لوگوں کے لئے ان کے رحم و کرم کی کوئی حد اور انتہا نہ تھی۔ لیپا ویلی میں موجی گاؤں کے قریب ایک پہاڑی زیارت ہے جس کی وجہ سے اس کا نام زیارت پڑ گیا ہے کیانی شہید ہر جمعہ کو زیارت کی زیارت کو جاتے تھے اور رات وہیں عبادت میں گزارتے تھے۔

سوال:- وہاں کے لوگوں کا عام تاثر کیا ہے؟

جواب:- حق نواز کیانی کا نام اس علاقے میں بلکہ منظر آباد تک ایک درویش اور ولی کی طرح مشہور ہے۔ ان لوگوں کی والہانہ عقیدت کا وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے جنہوں نے اس عقیدت کے نظارے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے۔ لوگ اس جگہ کو چومتے ہیں جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ بچوں کو ان کی کہانیاں سنتے ہیں

عورتیں ان کے لئے ماتم کرتی ہیں۔ ہر سال مئی کے مہینے میں کیانی مسجد میں ختم قرآن ہوتا ہے۔ تبرک تقسیم ہوتا ہے۔ ایک طرح وہ لوگ ہر سال کیانی شہید کا عرس مناتے ہیں۔

## آزاد کشمیر میں خراج عقیدت کا ایک جلسہ

آزاد کشمیر میں میر پور اور پونچھ سے ایک ہفتہ روزہ صادق نکلتا تھا اس کی ۸ ستمبر ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں یہ رپورٹ شائع ہوئی۔

شہید قوم کرنل راجہ حق نواز کیانی ستارہ جبرأت کو خراج عقیدت۔

کوٹلی میان کے مشہور و معروف دربار سدھیر شریف میں مرحوم کرنل حق نواز کیانی شہید کی یاد میں منعقد ہونے والے ایک عظیم اجتماع میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے بعض علماء دین کرنل مرحوم کی عظیم مجاہدانہ خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ کرنل راجہ حق نواز کیانی نے لپاکے عالیہ معرکے میں جس جوان مردی اور جبرأت ایمانی کا ثبوت دیا ہے وہ ہماری تاریخ میں ایک نئے اور سنہری باب کا حامل ہوگا۔

دربار شریف کے خلیفہ اور مدرسہ تعلیم القرآن کے مالک محمد حسین نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کرنل حق نواز کی دینی سرگرمیوں اور مجاہدانہ کارناموں کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ کرنل مرحوم نے اپنی پوری زندگی اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ فوجی افسر کے بھیس میں ولی اللہ تھے وہ دیانت داری سے اپنے فرائض منصبی کی بجائے آزادی کے ساتھ ساتھ یاد خدا میں بھی مصروف رہتے تھے۔ ان کی زندگی کا پورا نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ کرنل حق نواز نے ہر مشکل سے مشکل معرکے میں بھی دشمن کو شکست فاش سے ہمکنار کیا۔ اور ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے آگ اور طوفان سے گزرنے



کا فریضہ بھی دیانت داری سے انجام دیا۔

خلیفہ مدحیر شریف نے اپنی تقریر میں کہ نل حق نواز کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ نل مرحوم اپنے دور کے قطب تھے۔ خلیفہ صاحب نے عوام سے اپیل کی کہ وہ کہ نل موصوف کی تقلید کرتے ہوئے اسلام اور پاکستان کی سرفرازی کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کا عزم کرنا چاہیئے اور ہر ممکن طریق سے استحکام پاکستان اور آزادی کشمیر کی جدوجہد جاری رکھنی چاہیئے۔

## ایک احسان مند کے تاثرات

بھلوال کے عبداللہ بیگ لکھتے ہیں۔

کہ نل حق نواز صاحب ۴۵-۴۶ء میں لینٹینٹ تھے۔ دوسری عالمی جنگ

میں میرے والد صاحب سسی نائب صوبیدار نواب خان پنجاب رجمنٹ میں دوبارہ حاضر ہوئے۔ ۳۰ جون ۴۲ء کو ان کی بوجہ بیماری جہلم سی ایم ایچ میں موت واقع ہو گئی ان کی دو بیوگان اور چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ سب سے بڑا لڑکا میں تھا جو کہ ابھی ۱۶/۱۷ سال کا تھا۔ یعنی روزی کمانے کے قابل نہ تھا اور مرحوم نائب صوبیدار کے اہل و عیال پر نہایت ہی مشکل وقت تھا۔ پٹن وغیرہ کے لئے کافی درخواستیں دیں مگر کوئی کسی نے نہ سنی۔ اللہ کے مہربانی ہونے پر ہوئی تو کہ نل حق نواز صاحب شہید میرے گاؤں بھلوال غزنی آئے کیونکہ ان کی یہاں خاصی رشتہ داری تھی اور انہیں کی بھوپھی صاحبہ مرحومہ نے کہا کہ اس طرح کا ایک کہیں ہے اور ایک آدمی فوت ہو گیا ہے اور اس کی بیوگان اور یتیم بچوں کو گورنمنٹ کی طرف سے کوئی امداد نہیں ملی۔ چنانچہ کہ نل صاحب مرحوم اسی وقت میرے گھر چلے آئے اور تمام واقعہ دریافت کیا۔ میں نے ان کو صرف اتنا بتایا کہ والد صاحب مرحوم ۱۔ پنجاب میں تھے اور جہلم سی ایم ایچ میں ان کی موت واقع ہوئی۔

کرنل صاحب مرحوم نے اپنی پوری پوری کوشش فرمائی اور بیوگان اور یتیموں کو گورنمنٹ سے پنشن دلوائی اور اس خاندان کی اس طرح پرورش ہوئی اور ساتھ ہی لیسٹنٹ سے کرنل ہوئے۔ بھلوال غریب شریف آتے تو ہمارے گھر خود آکر خیریت دریافت کرتے رہتے تھے۔ ان کی زندگی کے اوصاف بیان نہیں ہو سکتے اور نہ اتنے میرے خیال میں کسی انسان کے ہوں گے کیونکہ جب افسر بن جاتا ہے تو اکثریت کو انسانی ہمدردی، غریبوں بے کسوں کی پرواہ نہیں رہتی لیکن کرنل صاحب ایک فزٹہ سیرت انسان تھے اور انہیں تو اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا مقام عطا فرمایا، مگر غریبوں، بے کسوں کا سہارا جاتا رہا۔ اچھا ہماری تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے اور بھی رحمتیں عطا فرمائے اور اللہ ایسے ہی انسان کو دنیا میں نوازے جو ان ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بے بس انسانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں۔ آمین ثم آمین

### حاصل کلام

الحمد للہ۔ قوم کے ایک عظیم محسن اور ایک عظیم شہید کی زندگی، کارناموں اور کردار کا یہ جائزہ ختم ہوا۔ اس تمام تک ودو کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ یہ دکھایا جائے کہ جو لوگ غیر معمولی کارنامے انجام دیتے ہیں ان کی سوچ کیا ہوتی ہے وہ کس طرح محسوس کرتے ہیں۔ ان کی قدریں کیا ہوتی ہیں اور یہ کہ کس طرح ایمان و ایقان انسان کو بدل دیتا ہے، نگاہ مرد سے تقدیریں ضرور بدل جاتی ہیں لیکن اس کے لئے مومن ہونے کی شرط بھی ہے۔

یہی کیانی کی کتاب زندگی کا خلاصہ بھی ہے۔

دل مرد مومن میں پھر زندہ کر دے      وہ سبلی کہ تھی نصرہ لاتذر، میں  
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے      نگاہ مسلمان کو تلوار کر دے



book owner : Asif Saeed  
scan by : Salman saleem  
0304-8890501

